Dec. 2022 دسمبر

ماہنامہ

صدائے شبلی

حیدرآباد

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad
ISSN: 2581-9216

ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

www.shibliinternational.com

قیمت: -/20 روپے

ماہنامہ حیدرآباد

صدائے شبلی

Monthly Hyderabad

SADA E SHIBLI

Issue:58 شمارہ: Vol :5 جلد: Dec 2022 دسمبر

مدیر:

ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران:

ڈاکٹر عبدالقدوس

ڈاکٹر سراج احمد انصاری

ابوہریرہ یوسفی

قیمت فی شمارہ:	20/-
سالانہ:	220/-
رجسٹرڈ ڈاک:	350/-
بیرونی ممالک:	50/-امریکی ڈالر
خصوصی تعاون:	2000/-

SADA E SHIBLI
A/c: 1327102000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

ماہنامہ "صدائے شبلی" حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے
ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی۔ پروفیسر مظفر علی شہہ میری
پروفیسر محسن عثمانی ندوی۔ پروفیسر ابوالکلام
پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی۔ ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی
مفتی محمد فاروق قاسمی۔ مولانا ارشاد الحق مدنی
مولانا محمد مساعد ہلال احیائی
اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ۔ محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق۔ ڈاکٹر حمران احمد۔ ڈاکٹر ناظم علی
ڈاکٹر مختار احمد فردین۔ ڈاکٹر غوثیہ بانو
ڈاکٹر سید امام حبیب قادری۔ ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی
ڈاکٹر سمیہ تمکین۔ ڈاکٹر صالحہ صدیقی
ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
ڈاکٹر آصف لئیق ندوی۔ ڈاکٹر مظفر علی ساجد۔
مولانا عبدالوحید ندوی۔ مولانا احمد نور عینی
ابوہریرہ ایوبی۔ محسن خان

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس
میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط وکتابت کا پتہ

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352,
B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Dabirpura Road, Purani Haveli,
Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی بات	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	رحمۃ للعالمین	مولوی صفوۃ الرحمٰن صابر	۷
۴	حیدرآباد میں بچوں کا ادب	ڈاکٹر رحیم رامش	۱۰
۵	فرماں بردار بیٹا	ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی	۱۲
۶	انشائیہ — گپ شپ	ڈاکٹر ولاء جمال العسیلی	۱۴
۷	اسکول کا زمانہ	سید عظمت اللہ بیابانی	۱۶
۸	''ہائے یہ نیا دور''	خیر النساء علیم	۱۸
۹	دُعا	یاسین بابیل	۲۰
۱۰	غزل	ظہور ظہیر آبادی	۲۰
۱۱	حضرت نادرؔ اسلوبی ورنگل کے نامور منفرد لب ولہجہ کے شاعر	تشکیل انور رزاقی	۲۱
۱۲	''سرسید احمد خاں اوران کی علی گڑھ تعلیمی تحریک''	منظر عالم (منظر ریوندھوی)	۲۳
۱۳	اندھے	پرواز احمد	۲۶
۱۴	سیل فون وانٹرنیٹ! ذہنی وجسمانی امراض اور فکری بے راہ روی کا طوفان	فاروق طاہر	۲۷
۱۵	مرد سپاہی تھا وہ اس کی زرہ 'لا الٰہ'	نفیسہ فاطمہ	۳۱
۱۶	اقبال: مفکر اور شاعر - ایک جائزہ	شاوین ضیاء بیگم	۳۵
۱۷	غزل	جہانگیر قیاس	۳۶
۱۸	مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں علامہ شبلی کا حصہ.....(تبصرہ)	مبصر: شکیل رشید	۳۷
۱۹	اثرات شبلی	ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی	۴۰

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

جناب ابوسفیان اعظمی، مقیم حال ممبئی

جناب محمد یوسف بن الحاج محمد منیر الدین عرف ولی مرحوم، حیدرآباد

مفتی محمد فاروق قاسمی، صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھرا پردیش

ڈاکٹر سید جلیل حسین ایم ڈی (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد

مولانا منصور احمد قاسمی، معین آباد، تلنگانہ

الحاج رئیس احمد اقبال، انجینئر صدر سہارا ویلفیئر سوسائٹی، حیدرآباد

الحاج محمد زکریا انجینئر (داماد استاذ الاساتذہ حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ)

ڈاکٹر شہباز احمد، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چارمینار، حیدرآباد

مولانا محمد عبدالقادر سعود، نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد

الحاج محمد قمر الدین، نیل کالونی بارکس حیدرآباد

الحاج محمد عبدالکریم، صدر مسجد اشرف کریم کشن باغ، حیدرآباد

اپنی بات

گذشتہ ماہ نومبر 2022ء سے ذرائع ابلاغ کے توسط سے فٹبال ورلڈ کپ پورے عالم میں سرخیوں میں بنا ہوا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس ورلڈ کپ کی میزبانی اسلامی ملک قطر کر رہا ہے، قطر نے مہمانوں کی ضیافت کے لئے عمدہ انتظام کئے ہیں، میدان سے ریستوان تک جسمانی اور صاف روحانی غذا کا خوب اہتمام کیا ہے۔ حکومت قطر نے نو وارد کا استقبال اپنے مذہبی تشخص اور تہذیب سے کیا اور ہر وہ چیز جو کہ حکومت قطر کے آئین کے خلاف ہے اس سے بڑی خوب صورتی سے علاحدگی اختیار کر لی اور مذہب اسلام کی خوبیوں کو اذہان پر نقش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ افتتاحی تقریب کمال کی تھی، ایک طرف ہالی ووڈ کا سپر اسٹار روشنیوں سے نکل کر بزبان انگریزی زمین پر بیٹھ کر ایک معذور جوان جو کہ دنیا کے لئے عجوبہ ہے اور خالق کائنات کی قدرت کا مظہر ہے، اس سے پوچھتا ہے دنیا میں اتنے ممالک، رنگ، نسل، ذات میں اتحاد امن کیسے قائم ہوسکتا ہے؟ معذور نوجوان نے جواب میں قرآن مجید میں سے سورہ حجرات آیت نمبر:۱۳ کی تلاوت کی اور اس کا ترجمہ اور مختصر تشریح کی۔

آیت کا ترجمہ ہے: اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنا دیا ہے تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، بیشک تم میں سے پرہیز گار تر اللہ کے نزدیک معزز تر ہے، بیشک اللہ خوب جاننے والا ہے پورا خبردار ہے۔

وحدت نوع انسانی جو قرآن بیان کر رہا ہے اس نے تمام جاہلی نظریات کی جڑ کاٹ دی، مختلف خاندان اور قومیں امتیاز و تعارف کے لئے ہیں نہ کہ تفاخر کے لئے۔ اس بات نے نسل پرستی، قوم پرستی، رنگ پرستی جس میں جاہلیت قدیم سے لیکر جاہلیت جدید تک ساری قومیں مبتلا رہی ہیں ان پر پوری ضرب اس آیت نے لگا دی ہے۔

اللہ کے ہاں شرف فضیلت و مقبولیت تمام تر ذاتی پرہیز گاری ہے نہ کہ فخر نسلی و قومی و آبائی، اسلام نے انسانی آبادی کی تقسیم صرف دو ہی طبقوں میں رکھی ہے، متقی و غیر متقی۔ نہ امیر نہ غریب نہ گورے نہ کالے نہ نسل نہ رنگ۔ اس بنا پر اگر لوگ اپنے خالق و مالک سے ڈرنے والے بن جائیں تو دنیا میں امن اور اتحاد قائم ہوسکتا ہے۔

ملک میں ضمنی، ریاستی الیکشن ہوتے ہی رہتے ہیں، نتائج جو بھی ہوں مگر عام لوگوں کا خیال ہے۔ الیکشن میں بنیادی باتیں جس سے ملک اور سماج کی بنیاد مزید مضبوط نہیں ہوسکتی اسی وجہ سے کانگریس اور ملک کا بڑا لیڈر راہل گاندھی کو بھارت جوڑو یاترا نکالنی پڑ رہی ہے۔ کتنا بھارت جُڑا ہے اور کتنا جُڑے گا آنے والا وقت ہی بتائے گا۔

ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی نے سوشل میڈیا اور ناچیز کے نمبر پر افسوسناک خبر دی کہ شعر و سخن ڈاٹ کام کے بانی مشہور بے لوث ادیب جناب سردار علی کناڈا میں اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے، مرحوم کا تعلق حیدر آباد ہندوستان سے تھا، وہ اردو کے سفیر بن کر عرصہ دراز سے کناڈا میں مقیم رہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت اور جنت الفردوس عطا فرمائے (آمین) ابھی ہم اس غم سے باہر نہیں آئے تھے کہ صبح صبح سوشل میڈیا کے توسط سے یہ خبر موصول ہوئی کہنہ مشق فی البدیہہ شاعر ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی آن لائن مشاعرہ پڑھتے پڑھتے جون پور میں انتقال کر گئے ہیں۔

راقم الحروف سے مرحوم کا دیرینہ تعلق تھا، ابھی چند دن پہلے بات بھی ہوئی تھی۔ اعظم گڑھ کی مٹی اور وہاں کے رہنے والوں سے انھیں بڑی محبت تھی، مرحوم ہر اچھے کام کی تعریف اپنے فن اور شعری انداز میں کیا کرتے تھے، حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ کے بعد راقم الحروف کے لئے ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی ہی شعر و شاعری کی اصلاح میں سہارا تھے، اللہ رب العزت ان کی مغفرت، جنت الفردوس عطا فرمائے، پسماندگان متعلقین کو صبر جمیل دے (آمین) ادارہ شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ مرحومین کی ادبی و شعری خدمات پر خراجِ عقیدت پیش کرتا ہے۔

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

زید بن سعنہ جس زمانہ میں یہودی تھے، لین دین کا کاروکرتے تھے، آنحضرت ﷺ نے ان سے کچھ قرض لیا، میعادِ ادا میں ابھی کچھ دن باقی تھے، تقاضے کو آئے، آنحضرت ﷺ کی چادر پکڑ کر کھینچی اور سخت سست کہہ کر کہا ''عبدالمطلب کے خاندان والو! تم ہمیشہ یوں ہی حیلے حوالے کیا کرتے ہو'' حضرت عمرؓ غصہ سے بے تاب ہوگئے، اس کی طرف مخاطب ہوکر کہا ''اور دشمنِ خدا تو رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے؟'' آنحضرت ﷺ نے مسکرا کر فرمایا ''عمر! تم سے کچھ اور امید تھی، اس کو سمجھانا چاہیے تھا کہ نرمی سے تقاضا کرے اور مجھ سے یہ کہنا چاہیے تھا کہ میں اس کا قرض ادا کروں'' یہ فرما کر حضرت عمرؓ کو ارشاد فرمایا کہ قرضہ ادا کر کے بیس صاع کھجور کے اور زیادہ دیدو۔

(ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس صرف ایک جوڑا کپڑا رہ گیا تھا اور وہ بھی موٹا اور گندہ تھا، پسینہ آتا تو اور بھی بوجھل ہوجاتا، اتفاق سے ایک یہودی کے یہاں شام سے کپڑے آئے، حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ ایک جوڑا اس سے قرض منگوا لیجئے، آنحضرت ﷺ نے یہودی کے پاس آدمی بھیجا، اس گستاخ نے کہا ''میں سمجھا مطلب یہ ہے کہ میرا مال یوں ہی اڑا لیں اور دام نہ دیں'' آنحضرت ﷺ نے یہ ناگوار جملے سن کر صرف اس قدر فرمایا کہ ''وہ خوب جانتا ہے کہ میں سب سے زیادہ محتاط اور سب سے زیادہ امانت ادا کرنے والا ہوں'')

ایک دفعہ کہیں تشریف لے جارہے تھے، ایک عورت قبر کے پاس بیٹھی رورہی تھی، آپ ﷺ رک گئے اور اس سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ ''صبر کرو'' وہ آپ ﷺ کو پہچانتی نہ تھی (گستاخی کے ساتھ) بولی، ہٹو تم کیا جان سکتے ہو کہ مجھ پر کیا کیفیت ہے، آپ ﷺ چلے آئے، لوگوں نے عورت سے کہا تو نے نہیں پہچانا، وہ رسول اللہ ﷺ تھے، دوڑی ہوئی آئی اور کہا میں حضور ﷺ کو پہچانتی نہ تھی، ارشاد فرمایا، صبر وہی معتبر ہے جو عین مصیبت کے وقت کیا جائے۔

ایک دفعہ حضرت سعدؓ عبادہ بیمار ہوئے، آپ ﷺ عیادت کو سواری پر تشریف لے گئے، راہ میں ایک جلسہ تھا، آپ ﷺ ٹھہر گئے، عبداللہ بن ابی جو رئیس المنافقین تھا، وہ بھی جلسہ میں موجود تھا، آپ ﷺ کی سواری گرد اڑی تو اس نے چادر ناک پر رکھ لی اور آنحضرت ﷺ سے کہا دیکھو گرد نہ اڑاؤ (جب آنحضرت ﷺ قریب پہنچے تو اس نے کہا ''محمد اپنا گدھا ہٹاؤ، تمہارے گدھے کی بدبو نے میرا دماغ پریشان کردیا'' آنحضرت ﷺ نے سلام کیا، پھر سواری سے اترے اور اسلام کی دعوت دی، عبداللہ بن ابی نے کہا ''ہمارے گھر آکر ہم کو نہ ستاؤ، جو شخص خود تمہارے پاس جائے اس کو تعلیم دو'' عبداللہ بن رواحہؓ جو مشہور شاعر تھے انھوں نے کہا آپ ﷺ ضرور تشریف لائیں، یہ بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچی کہ قریب تھا کہ تلواریں نکل آئیں، آنحضرت ﷺ نے دونوں فریق کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا) جلسہ سے اٹھ کر آپ ﷺ سعد بن عبادہ کے پاس آئے اور ان سے کہا تم نے عبداللہ کی باتیں سنیں، سعدؓ بن عبادہ نے عرض کی کہ آپ ﷺ کچھ خیال نہ فرمائیں، یہ وہ شخص ہے کہ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے اہل مدینہ نے اس کے لیے ریاست کا تاج تیار کرلیا تھا۔

غزوۂ حنین میں آپ ﷺ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا تو ایک انصاری نے کہا ''یہ تقسیم خدا کی رضامندی کے لیے نہیں ہے۔'' آپ ﷺ نے سنا تو فرمایا ''خدا موسیٰؑ پر رحم کرے، ان کو لوگوں نے اس سے بھی زیادہ ستایا تھا۔''

(سیرۃ النبیؐ، جلد: دوم، ص: ۲۸۳-۲۸۴)

مولوی صفوۃ الرحمن صابر۔حیدرآباد

رحمۃٌ للعالمین (قسط دوم)

معلم انسانیت حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہٖ وسلم!

اہل کتاب کے لئے بھی آپ اکی اتباع لازمی ہے

مسلمانوں میں بھی بعض دینی بصیرت نہ رکھنے والے لوگ یہ فتنہ پھیلا رہے ہیں کہ اہل کتاب، یہود ونصاریٰ جو ایک نبی کو مانتے ہیں اُن کو اپنی صلاح وفلاح کے لئے حضرت محمد ﷺ کی اتباع ضروری نہیں ہے اور اپنی اس کافرانہ ذہنیت کو قرآن ہی سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، شاید قرآن مجید کی ایسی ہی تاویلات کے متعلق حضرت رسول کریم ﷺ نے ''تاویل الجاہلین'' فرمایا ہے، حالانکہ قرآن مجید میں اہل کتاب کو متنبہ کردیا گیا ہے کہ رضائے حق کے طالب کو نورِ رسالت ہی کے ذریعہ ظلم وجہل کی گھاٹیوں سے نکال کر علم ہدایت کی روشنی بخشی جائے گی۔

یَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيراً مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ قَدْ جَاءكُم مِّنَ اللّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ. يَهْدِي بِهِ اللّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلاَمِ وَيُخْرِجُهُم مِّنِ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ. (المائدہ:۱۵،۱۶)

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آئے ہیں کتاب میں سے جن امور کا تم اخفا کرتے ہو ان میں سے بہت سی باتوں کو تمہارے سامنے صاف بیان کردیتے ہیں اور بہت امور کو درگذر کردیتے ہیں، پس تمہارے پاس رب کی طرف سے ایک روشنی اور واضح کتاب آئی ہے اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو جو رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں اور ان کو اپنی توفیق سے (کفر ومعصیت کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان واطاعت کے) نور کی طرف لے آتے ہیں اور ان کو (ہمیشہ) راہِ راست پر قائم رکھتے ہیں۔

نیز رسول کریم ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ اب اگر موسیٰ بھی ہوتے تو میری اتباع کرتے۔ ولو کان موسیٰ حیًّا ما وسعہ الا اتباعی (احمد وبیہقی)

تو اس کے بعد ایسے باطل خیالات جہل مرکب نہیں تو اور کیا ہیں۔کاش یہ لوگ صحیح دانش وبینش حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایمان بالرسالت واتباعِ رسالتِ محمدیہ ﷺ ایمان باللہ کا ایک ایسا ضروری جزء ہے کہ اس کے بغیر ایمان باللہ ایک لایعنی بات ہے اور ایمان باللہ کا ادّعا ایک فریبِ نفس!

ختم نبوت

بعض دنیا پرست نام نہاد مذہبی پیشوا ختم نبوت کا انکار کرتے ہیں اور ظلی وبروزی نبوّت کے نام سے اپنے نبی ہونے کا اعلان کرکے لوگوں کو گمراہ کررہے ہیں۔ حالانکہ

حضرت رسول کریم ﷺ کے ''خاتم النبیین'' ہونے کا جو قرآنی اعلان ہے اس کی تشریح خود آنحضرت ﷺ ہی نے فرمادی ہے کہ سلسلۂ نبوّت مجھ پر ختم کردیا گیا۔ ختم بی النبیّون (مسلم)

اور اپنا ایک نامِ مبارک ''العاقب'' فرما کر یہ وضاحت کردی کہ: والعاقب الذی لیس بعدہ نبیٌّ (متفق علیہ) اور یہ بھی خبر دے دی کہ آپ ﷺ کے بعد نبوّت کے جھوٹے دعویدار پیدا ہوں گے۔

وانّہ سیکون فی اُمّتی کذّابون ثلثون کُلّھم یزعم انّہ نبی اللہ وانا خاتم النّبیّین لا نبی بعدی (الی آخرہ) (ابوداود و ترمذی)

اور قریب ہے کہ میری امت میں تیس جھوٹے نبوت کے دعویدار پیدا ہوں گے اور حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

ان مسلمانوں کی دینی ناواقفیّت اور بے سمجھی پر افسوس ہوتا ہے، جو ایسے دجّال وکاذب مدعیان نبوت کا ساتھ دے رہے ہیں۔ اور قصبۂ قادیان کو مثل مدینہ منورہ سمجھتے ہیں۔

ایمان بالرسالت دینِ فطرت کا بنیادی عقیدہ ہے

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا دین کا ایک بنیادی اور اہم عقیدہ ہے، اہل باطل ہوں کہ حق کے پیاسے سب کے سامنے اولاً یہی صداقت پیش کی جائے گی۔ باطل اپنی پوری مخالفانہ قوت یہیں صرف کرے گا۔ حق و باطل کا یہ اوّلین معرکہ ہے اور معرکۂ حق و باطل کا یہی پہلا مورچہ ہے۔ حق کا کامیاب قدم اسی مورچہ سے آگے بڑھتا ہے۔ اور آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے مگر یہ ضروری ہے کہ افہام وتفہیم کا انداز کلامی نہ ہو بلکہ قرآنی، فطری ہو۔ اس طرح جب رسالتِ محمدیہ ﷺ کی صداقت سمجھ میں آجاتی اور تسلیم کرلی جاتی ہے یعنی یہ مان لینے کے بعد کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ، اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے تمام بندوں کی صلاح وفلاح کے لئے مامور فرمایا ہے، اور مامور من اللہ کی جو بصیرت، ہدایت ونصیحت وروش ہوتی ہے وہ چونکہ اللہ علیم وخبیر کی طرف سے ہوتی ہے اس لئے بحث وحجت، شک وریب، چون وچرا کے تمام دروازے بند ہوجاتے ہیں اور بہ ذوق وشوق ''سمعنا واطعنا'' کا جذبہ ابھر آتا ہے۔ یہ سمع واطاعت جوں جوں صحیح ہوتی جاتی ہے ایمان ویقین بھی پختہ ہوتا جاتا ہے۔ جزائے اعمال کے متعلق جو امورِ غیبیہ ہیں وہ کالمشاہدہ ہوتے جاتے ہیں اور یہ حقیقت سمجھ میں آجانے کے بعد کہ انسان کی اصلی زندگی، بعد الموت کی زندگی ہے اور وہیں کا نفع اصلی نفع، اور وہیں کا ضرر اصلی ضرر ہے۔ خشیتِ الٰہی وحُبِّ الٰہی بڑھتی جاتی ہے نفس کا تزکیہ اور طمانیتِ نفس کا مقام عطا کیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ کی رحمانیت وربوبیّت کھلتی جاتی ہے، بندگی کے منازل طے کرائے جاتے ہیں، خلافتِ الٰہیہ کی قابلیّت اُجاگر کی جاتی ہے، آیاتِ قرآنی کے صحیح مطالب پر آگاہی بخشی جاتی ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ. (العنکبوت ع ۷) (ترجمہ) جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں ہم ان کو اپنی راہیں دکھلاتے ہیں۔

ایمان بالرسالت کا مفہوم

غرض یہ کہ ایمان بالرسالت کا مفہوم جتنا صحیح ہوگا دین وایمان اتنا ہی قوی اور مستحکم ہوگا۔

آپ ﷺ ہی کے ارشاد سے ظاہر ہے کہ ایمان بالرسالت کے تین اجزاء ہیں:

۱- لایؤمن احدکم حتّٰی یکون ھواہ تبعاً لما جئت

بہ. (حدیث شرح السنۃ)

(ترجمہ) تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اُس کی خواہشات میری شریعت کے تابع نہ ہوجائیں۔

یعنی ایک جزء تو یہ ہے کہ ایمان بالرسالت صحیح نہ ہوگا جب تک خواہشاتِ نفسانی آپ ﷺ کی شریعت کے تابع نہ ہوجائیں۔

۲- لا یؤمن احدکم حتّٰی اکون احب الیہ من ولدہٖ ووالدہٖ والناس اجمعین. (متفق علیہ) (ترجمہ) تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوتا جب تک میں اس کے باپ اور اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔

دوسرا جز یہ ہے کہ آپ ﷺ، جان ومال، آل واولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہوجائیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ جان ومال، آل واولاد کی محبت بہرحال اور بہرصورت، اتباعِ رسالت سے نہ روکے۔

۳- من رغب عن سُنتی فلیس منّی.

(ترجمہ) جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں

تیسرا جز یہ ہے کہ ہدایت کے مدارج حاصل کرنے کے تمام طریقے سُنّت کے مطابق ہوں کوئی عمل غیر مسنون نہ ہو، سورۂ اعراف کی آیتِ ذیل سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ جان ومال سے آپ کی حمایت ونصرت پر آمادہ رہنا اور آپ ﷺ کی تعلیم، آپ ﷺ کی سنت پر کما حقہٗ عمل کرنا ایمان بالرسالت کے لازمی اجزاء ہیں۔

فَالَّذِيْنَ آمَنُواْ بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُواْ النُّورَ الَّذِيَ أُنزِلَ مَعَهُ أُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُون. (الاعراف ع۱۹)

پس جو لوگ ان (نبی موصوف) پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو اُن کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

ایمان بالرسالت سے اگر اپنے علم وعمل کی اصلاح، اسوۂ حسنہ کی پیروی، اپنے حلقۂ اثر اور اپنے حدودِ امکانی میں خدا اور رسول کے احکام اور ہدایت کو جاری کرنے کا والہانہ وہمدردانہ جذبہ پیدا نہیں ہوا ہے تو جان لینا چاہیے کہ محض زبان سے آپ ﷺ کے رسول اللہ ہونے کا اقرار کرلینا افکار وروش کی اتباع کرنا اور پھر یہ سمجھ رکھنا کہ ہم حضرت محمد رّسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں، ایمان نہیں نفاق ہے۔

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِّنْهُم مِّن بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُوْلَئِكَ بِالْمُؤْمِنِين. (النور ع۶)

اور یہ (منافق) لوگ (زبان سے) دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لے آئے اور (خدا اور رسول کا) حکم (دل سے) مانا پھر اس کے بعد (موقع ظہور صدق دعویٰ پر) ان میں ایک گروہ سرتابی کرتا ہے اور یہ لوگ (دل میں) اصلاً ایمان نہیں رکھتے۔

یہ آیت اگرچہ منافقین سے متعلق ہے مگر ایمان کو پرکھنے کی اچھی کسوٹی ہے۔

الحاصل رسالتِ محمدیہ ﷺ پر سمجھ کر ایمان لائے بغیر اور اور کما حقہٗ آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کی اتباع کئے بغیر انسان جو محتاجِ رحمت ہے وہ رحمتِ حق کا مستحق نہیں بن سکتا۔ محتاجِ رحمت کو مستحقِ رحمت بننے کے لئے آپ ﷺ کو "رحمۃً للعلمین" بنا کر بھیجا گیا۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ. (الانبیاء ع۷)

ڈاکٹر رحیم رامش۔سرپور کاغذ نگر، عادل آباد، تلنگانہ

حیدرآباد میں بچوں کا ادب

بچوں کے ادب کی تاریخ پر 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد پہلی مرتبہ توجہ دی گئی۔ بچوں کی کتابوں کا عالمی دن پچاس سال سے دنیا میں منایا جارہا ہے۔ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ بچوں کا ادب اُردو ادب کا ایک اہم باب ہے، مرزا غالب، علامہ اقبال، الطاف حسین حالی، مولانا محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر احمد، نظیر اکبر آبادی اور اسماعیل میرٹھی نے بچوں کے لئے نظمیں اور مضامین لکھے جنھیں تعلیمی نصاب میں بھی شامل کیا گیا۔ 1908ء میں بچوں کا پہلا رسالہ ''اتالیق'' حیدرآباد سے نکالا گیا، بعدازاں ''ادیب''، ''اطفال''، ''المعلم''، ''نونہالی''، ''اُمنگ''، ''گل بوئے''، ''گلدستہ'' اور ''صدائے اطفال'' جاری کئے گئے، بچوں کے ادب کی ترقی دیکھ کر کئی اُردو روزناموں کے ذمہ داروں نے اپنے اخبارات میں بچوں کے ادب کے لئے ایک ایک صفحہ مختص کرنا شروع کردیا، جو بچوں کے علاوہ بڑوں کی بھی دلچسپی کا باعث بنا۔

بچوں کے ادب سے مراد وہ تخلیقات ہیں جو بچوں کے ذہن، فکر اور معیار کو درپیش نظر رکھ کر آسان اور سلیس زبان میں لکھی جاتی ہیں اور نظموں کو سہل ممتنع میں لکھا جانا ضروری ہے تاکہ اُن کی مخفی صلاحیتوں کو اُجاگر کیا جاسکے اور اُن کی معلومات میں اضافہ ہو۔ عموماً بچے ایسی کہانیوں میں دلچسپی لیتے ہیں جو مافوق الفطرت ہوں اور اِن میں پری، جن، بھوت، دیو اور راکشس وغیرہ کا ذکر ہو۔ اس کے علاوہ قدرتی مناظر سمندر، جنگل، پہاڑ، دریا اور جنگلی جانوروں کا تذکرہ ہو جیسے شیر، ببر، چیتا، ریچھ اور ہاتھی وغیرہ۔ بہادری اور حوصلہ مندی کے قصے اور کہانیاں بھی ہوں۔ بچوں کے لئے ایسی نظمیں ہونا چاہئے جن کے عنوانات عبادت، پاکیزگی، صحت جسمانی، ورزش، بہادری، محنت ومشقت، حب الوطنی، رواداری، قومی یکجہتی اور اخلاقیات سے پُر ہوں، بچوں کے ادب میں کہانیاں، نظمیں، ڈرامے، گیت، پہیلیاں، لطیفے، کارٹون اور دماغی کھیل وغیرہ ہونا چاہئے۔

دنیا میں یہ بات مشہور ہے کہ برطانیہ کا بچہ صبح ہوتے ہی اخبار سے کھیلتا ہے، اسی لئے اُس ملک کی ڈپلومیسی مشہور ہے۔ جاپان کا بچہ صبح آنکھ کھولتے ہی کھلونے کی طرف دوڑتا ہے، اِسی لئے وہاں کے کھلونے اور مشینیں کافی شہرت کی حامل ہیں، ہمارے بچے صبح ہوتے ہی روٹی روزی کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں، کیونکہ یہاں بھوک اور افلاس کا بول بالا ہے۔

یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ والدین بچوں کی تعلیم، پوشاک اور اُس کی صحت پر خصوصی توجہ دیتے ہیں لیکن بچوں کے اخلاق اور ادب کو نظرانداز کردیتے ہیں۔

بچوں کے ادب کو تدریسی شعبہ میں بھی ایک خاص مقام حاصل ہے۔ بچوں کے ادب کو تدریسی کورسس، D.El. Ed. T.T.C اور B.Ed کے نصاب میں بھی

شامل کیا گیا ہے لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ اِن کورسس میں زیر تربیت اساتذہ بچوں کے ادب کے تعلق سے زیادہ دلچسپی نہیں لیتے حالانکہ ان کے اساتذہ اِس تعلق سے پڑھاتے ہیں اور ان کے سالانہ امتحان میں بچوں کے ادب کے تعلق سے ایک سوال ضرور ہوتا ہے لیکن ان کی بدقسمتی یہ ہے کہ وہ بچوں کے ادب کی تعریف صحیح طور پر نہیں کر سکتے۔ کوئی لکھتا ہے:

ادب سے ہی انسان انسان ہے
ادب جو نہ سیکھے وہ حیوان ہے

چند طلباء بڑوں کے ادب (Respect) کو ہی بچوں کا ادب سمجھتے ہیں، اسی لئے اگر دسویں جماعت یا انٹر میڈیٹ کے نصاب میں اگر ''بچوں کا ادب'' شامل کرلیا جائے تو طلباء کی ذہن سازی بھی ہوگی اور وہ بچوں کے ادب سے کماحقہ واقف بھی ہوجائیں گے۔

روزنامہ ''سیاست'' کے جوائنٹ ایڈیٹر جناب محبوب حسین جگر کی فرمائش پر حیدرآباد کے بزرگ شاعر استاذ الاساتذہ حضرت رحمٰن جامی نے الگ الگ عنوانات سے بچوں کے لئے نظمیں لکھیں۔ محبوب حسین جگر کے بعد جناب زاہد علی خان کی ایماء پر باضابطہ عصری ضروریات اور ایجادات پر مبنی موضوعات کی فہرست بچوں کے صفحے کے مرتب جناب شعیب ربانی کے ذریعہ حضرت رحمٰن جامی کے پاس روانہ فرمائیں جن پر حضرت رحمٰن جامی نے بچوں کے لئے معرکۃ الآراء نظمیں لکھیں اور روز نامہ ''سیاست'' میں بڑے اہتمام سے شائع ہوتی رہیں۔ خوشخبری یہ ہے کہ اب یہ ساری نظمیں حضرت رحمٰن جامی کے ایک شاگرد جناب قدوس نورانی کتابی شکل میں شائع کرانے جارہے ہیں۔

ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی اسسٹنٹ پروفیسر صدر شعبۂ اُردو گورنمنٹ ڈگری کالج سدّی پیٹھ نے بھی ''بچوں کے ادب کی تاریخ'' لکھی جو عوام وخواص کے علاوہ زیر تربیت اساتذہ کے لئے بھی سودمند ثابت ہوسکتی ہے۔

شہر حیدرآباد کے شعراء اور مصنفین نے بھی بچوں کے ادب کے تعلق سے بہت ساری تخلیقات پیش کیں جو قابل ستائش ہیں۔ انھیں کی دلچسپی کی بدولت ''بچوں کا ادب'' آج ہماری ریاست میں زندہ ہے۔ شہر حیدرآباد کے شعراء اور مصنفین حسب ذیل ہیں:

استاذ الاساتذہ حضرت رحمٰن جامی، پروفیسر رحمت یوسف زئی، پروفیسر مجید بیدار، ڈاکٹر م۔ق۔ سلیم، ابوالفہم وحید علی خان، مسعود جاوید ہاشمی، کشور سلطانہ، ڈاکٹر سید علی عباس متقی، ڈاکٹر یوسف کمال، لطیف آرزو کوہیری، ڈاکٹر عزیز احمد عرسی، ڈاکٹر رحیم رامش، ذکیہ تجلّی، سلطان محی الدین سبحانی، سردار سلیم، محمد مجیب احمد، طیبہ بیگم، وسیمہ عشرت بیابانی، عرشین فردوس، معراج النساء بیگم، حسن یوسف زئی، عاتق شاہ، منیر رحمانی، شعیب ربّانی، مجید صدیقی، نوشین انجم، عطیہ حبیب، ڈاکٹر قمر الدین، انیس فاطمہ، رحمت انجم، حبیب مصطفیٰ عرفان، محمد عبدالوحید حمیدی، قیوم خالد، جیلانی بانو، ڈاکٹر سید بشیر احمد بشیر وغیرہ جن کے گراں قدر کارنامے سنگ میل کی طرح ہیں، ''بچوں کے ادب'' کے تعلق سے نئے ادیبوں اور شاعروں کو دلچسپی لینے کی مزید ضرورت ہے، تاکہ یہ ادب رہتی دنیا تک قائم رہے اور خوب ترقی کرے۔

☆☆☆☆

ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی۔ اسسٹنٹ پروفیسر وصدر شعبۂ اردو گورنمنٹ ڈگری کالج، تانڈور، ضلع وقار آباد

فرماں بردار بیٹا

خبردار! تمہیں اپنی نئی دلہن کے ساتھ ازدواجی تعلق شروع نہیں کرنا ہے، یہ میرا حکم ہے۔ اگر نہیں مانو گے تو میں تمہیں عاق کردوں گا اور اپنی جائداد سے محروم کر دوں گا۔ جب تک تمہاری دلہن کے والد معافی نہ مانگ لیں تمہیں اس حکم پر عمل کرنا ہے۔ تمہارے سسرال والوں نے ہماری بے عزّتی کی ہے۔ ان کو سزا دینا ضروری ہے۔ ابّا! یہ سزا سسرال والوں کے لئے ہے یا میری دلہن کے لئے؟ خاموش! ابھی دلہن کی صورت بھی نہیں دیکھی اور میری دلہن، میری دلہن بولنا شروع کر دیا بے شرم! جورو کا غلام بن گیا۔

ابّا! کیا ہوا؟ آج شادی کے دن آپ اتنے غصّے میں کیوں ہیں؟ کیا بتاؤں، میں نے دلہن والوں سے کہہ دیا تھا کہ سب سے پہلے میرے مہمانوں کو کھانے پر بٹھائیں، انہوں نے میرے آدھے مہمانوں کو ہی پہلے دستر خوان پر بٹھایا، آدھے دستر خوان پر لڑکی والوں نے قبضہ جما لیا۔ ایسا لگتا ہے کہ ہم لڑکے والوں کی کوئی عزّت ہی نہیں ہے۔ لڑکی والوں نے ہمارے ساتھ بیٹھ کر ہماری بے عزّتی کی ہے۔ آج کا ایک ہی دن تو ہماری عزّت اور برتری کا ہے، آج کے دن کی بے عزّتی کو ہم ہرگز معاف نہیں کریں گے۔ جب تک لڑکی والے ہم سے معافی نہیں مانگیں گے، تمہیں میرے حکم پر عمل کرنا ہے۔

بیٹا باپ کا بڑا ہی فرماں بردار تھا، اور اپنے دھن کا پکّا بھی تھا۔ اس نے باپ حکم پر من وعن عمل کیا۔ حجلۂ عروسی کی سجاوٹ، پھولوں میں بسی ہوئی اور زیورات میں لدی ہوئی حسین دلہن، سنگِ مرمر سے تراشا ہوا نازک سراپا اور گلِ لالہ سا دہکتا ہوا شوخ عروسی لباس بھی دولہے میاں کو بہکانے میں کام یاب نہیں ہوئے۔

لاجے بہو بولے نا کے مصداق دلہن صاحبہ نے کسی سے نہیں بتایا، یہاں تک کہ ولیمہ کے بعد چار جمعگی کی دعوت گزر گئی۔ پانچویں اور آخری جمعگی میں جب کہ دونوں خاندان کے افراد خوشی خوشی ہر لیں، مرک کے شوربے، نان، رومالی روٹی، قسم قسم کے چکن فرائی، مٹن بریانی، ڈبل کے میٹھے اور کدّو کی کھیر کے مزے اڑا رہے تھے، دلہن صاحبہ نے اپنی والدہ ماجدہ کے سامنے یہ اہم راز فاش کر دیا۔ والدہ نے بلا تاخیر یہ اطلاع اپنے شوہرِ نام دار کے گوش گزار کر دی۔ گھر میں کہرام مچ گیا۔ دلہن کے والدِ محترم غصّہ سے بے قابو گئے۔ انہوں نے دولہا کے والد کو بہت سخت سست سنایا۔ لڑکے کے والد صاحب بہادر اپنی غلطی ماننے والے کہاں تھے۔ انہوں نے بھی اپنی گرج دار آواز میں اپنی برتری اور دلہن والوں کی غلطی گنانی شروع کر دی، اور اب بھی اپنی بات پر اٹل رہے کہ آپ لوگ جب تک ہمارے مہمانوں کے ساتھ کی گئی بے عزّتی کی معافی نہیں مانگیں گے، آپ کی بیٹی کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہے گا۔

دولہا کے والد کو یقین تھا کہ ان کا فرماں بردار بیٹا ان کی حکم عدولی کبھی نہیں کرے گا۔ آج اس کی فرماں برداری کا ثبوت بھی مل گیا تھا، جس سے باپ کی انا کو بہت تسکین مل رہی تھی، اور اس کا ارادہ مزید پختہ ہو گیا تھا۔

دولہا کے والد کے پہاڑ جیسے غیر متزلزل ارادہ کے آگے دولہن کے والد کو ہتھیار ڈالنا ہی پڑا۔ شیر اور بکری کا مقابلہ ہو تو نقصان بکری کا ہی ہوتا ہے، بکری کی ماں کب تک خیر منائے، رات بھر مقابلہ کے بعد بھی اللہ خاں کی بکری بھیڑیئے سے ہار گئی تھی۔ ہار جانے میں ہی دلہن والوں کی کامیابی ہے۔ دلہن والوں کو سر جھکا کر رکھنا ہی اچھا ہے۔ اکڑنے میں ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ اس اندیشہ کے پیشِ نظر دلہن کے والد کو معافی مانگنے میں ہی بیٹی کا مستقبل بہتر نظر آیا۔ انہوں نے پورے خلوص سے معافی مانگ لی۔ اس طرح فرماں بردار بیٹے کی رکاوٹ دور ہوگئی۔ جمعگی کی دعوت اڑانے کے بعد دولہے کے والد اپنے بیٹے، بہو اور داماد وغیرہ کو لے کر اپنے گھر رخصت ہوگئے۔

گھر پہنچ کر اب ایک نیا ڈرامہ شروع ہوا۔ اس ڈرامہ کا ہیرو دولہے میاں کے بڑے بہنوئی تھے، جو شیر کا کردار ادا کر رہے تھے، جب کہ دولہے میاں کے والد بھیگی بلّی بنے ہوئے تھے۔ بڑے بہنوئی نے چیخنا شروع کیا: ,,آپ نے ہمیں ولیمہ کا حرام کھانا کھلایا، جب میاں بیوی میں ملاپ ہی نہیں ہوا تو ولیمہ کس بات کا۔ شادی میں لڑکی والوں نے آپ کے کچھ مہمانوں کی بے عزّتی کی۔ وہ بھی آپ کے خیال میں بے عزتی ہے، میں تو اسے بے عزتی نہیں سمجھتا، لیکن آپ نے تو دولہا، دولہن دونوں کے متعلقین کو حرام کا کھانا کھلا کر بے عزت کر دیا۔،،

دولہا کے والد بہت شرمندہ ہوئے کہ ہم نے تو بہت بڑا گناہ کر دیا۔ دس ہزار مہمانوں کو ہم نے حرام کھانا کھلا دیا۔ دولہے کے چھوٹے بہنوئی نے مداخلت کرتے ہوئے کہا: ,,ولیمہ کا کھانا حرام کیسے ہوا؟ ولیمہ خراب ضرور ہوا، لیکن حرام کیسے ہوا؟ اس میں حرام کی کون سی چیز شامل ہوگئی؟،،

اب دونوں ہم زلف آپس میں جھگڑنے لگے:

بڑا بہنوئی: کیا تم مفتی ہو؟

چھوٹا بہنوئی: کیا آں جناب مفتی ہیں؟

بڑا بہنوئی: میں مفتی تو نہیں ہوں، لیکن اب تک میں نے یہی سنا ہے۔

چھوٹا بہنوئی: یہ تو سنی سنائی باتیں ہیں، آپ سنی سنائی باتوں میں زیادہ یقین رکھتے ہیں۔

بڑا بہنوئی: تو تم کو کیا معلوم ہے؟

چھوٹا بہنوئی: مجھے کیا معلوم، میں کوئی مفتی تھوڑی ہوں۔

بڑا بہنوئی: بہتر ہے کسی مفتی سے مسئلہ دریافت کیا جائے۔

چھوٹا بہنوئی: ہاں میرے دوست خلیل کی ایک مفتی صاحب سے دیرینہ دوستی ہے۔ صبح خلیل کے پاس جا کر معلوم کریں گے۔

صبح دونوں ہم زلف خلیل کے پاس گئے، اور مزے لے لے کر پورے ڈرامے کی روداد سنائی۔ ابھی میں مفتی صاحب کو فون لگاتا ہوں۔ وہ میرے اچھے دوست اور مستند مفتی ہیں۔ خلیل نے یہ کہہ کر مفتی صاحب کو فون لگا دیا:

,,السلام علیکم مفتی صاحب! خیریت، میرے ایک دوست کے سالے صاحب کی شادی ہوئی، لیکن اس کے والد صاحب نے ہم بستر ہونے سے منع کر دیا تھا، ایک مہینہ تک دونوں الگ رہے، اسی حالت میں ولیمہ اور جمعگی کی دعوتیں ہوئیں، کیا ولیمہ اور جمعگی کی دعوت کا کھانا حلال ہوا یا حرام؟؟،،

مفتی صاحب نے جواب دیا: ,,ولیمہ کا کھانا حرام کیوں ہوگا؟ کیا اس میں کوئی حرام چیز ملا دی گئی تھی؟ شرعی نکاح کر کے گھر میں نئی دلہن آنے پر ولیمہ کی دعوت مسنون ہے۔ ولیمہ کے لئے خلوت کافی ہے، ہم بستر ہونا ضروری نہیں، یہ تو ایک پوشیدہ امر ہے۔ یہ کیسا بے شرم باپ ہے، جس نے اپنے بیٹے کے سامنے بے شرمی کی بات زبان پر لائی۔ وہ جاہل اور انتہائی بے شرم معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ جمعگی کی دعوت کیا بلا ہے؟

ڈاکٹر ولاء جمال العسیلی۔ایسوسی ایٹ پروفیسر اردو شعبہ، عین شمس یونیورسٹی قاہرہ، مصر

انشائیہ — گپ شپ

بلا شبہ گپ شپ ایک ایسی خصوصیت ہے، جو ہمیشہ خواتین کی فطرت کی وجہ سے ان کے قریب رہی ہے، جس کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے معاملات کی وضاحت کے لیے زیادہ الفاظ استعمال کریں، کیونکہ وہ اکثر شکایتیں کرتی ہیں۔ عورت اگر نہ بولے گی تو وہ کئی بیماریوں میں مبتلا ہو جائے گی۔اس لیے بہتر ہے کہ اسے بولنے دیا جائے۔گپ شپ میں عورت کا مسئلہ تکرار ہے، یعنی وہی الفاظ جو وہ دہراتی ہے، کوئی نئی بات نہیں ہوتی ہے، اس کا وہی معمول ہے۔اگر کوئی مہمان آئے اور جائے تو اس کی بات صوفے، سیلون، ماربل، رنگ کی اقسام کے بارے میں ہوگی۔اور اس کی طرف سے ایک لمبی آہ بھری حالت کی تکلیف تک محدود ہوتی ہے اور یہ کہ اس کے پاس وہ نہیں ہے جو دوسروں کے پاس ہے۔اپنی گپ شپ کا وہ خدا کی حمد کے ساتھ اختتام کرتی ہے۔اس کے علاوہ، اگر وہ شادی کی تقریب میں جاتی ہے، مثال کے طور پر اس موقع سے ایک ماہ یا آدھا مہینہ پہلے، وہ گپ شپ کرے گی کہ وہ کیا پہنے گی؟! کیا خریدنا چاہتی ہے؟ وہ دولہا دلہن کے لئے کون سا تحفہ لے گی؟ ایسی صورت حال کے پیش نظر جب موقع ختم ہو جاتا ہے۔جب چند روز باقی رہ جاتے ہیں، اس کے بعد وہ عورت تمام مدعو کرنے والوں، ان کے کپڑوں اور سونے جاگنے کے بارے میں گپ شپ کرتی ہے، کہ ان میں سے اکثر سونے کے خول سے مزین ہیں، انھیں ادھار لیا ہے، یا کپڑے بھی کرائے پر لیے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ رمضان کا سامان، اس کے اور بچوں کے لیے عید کے کپڑے، عید کی رونقیں، اس کی کریموں کی خصوصی ضروریات، کاسمیٹکس، ہیئر ڈائی، ڈرائر اور جلد کے دانے جو اسے خوفناک خواب دکھاتے ہیں، ان تمام باتوں کے علاوہ اسکول میں بچوں کے داخلے کو بھولے بغیر اخراجات کے بارے میں بیوی کی گپ شپ ایک الگ گپ شپ ہے۔ بیچارے شوہر کو صرف سر درد کی دوا کا ایک ڈبہ خریدنا ہوتا ہے اور اسے ایک ہی بار میں نگلنا ہوتا ہے۔

صحیح معنوں میں، آپ کو ایسی بیوی بہت ہی کم ملے گی جو مختلف ثقافتوں کے ساتھ شوہر کی دلچسپیوں اور خیالات کا اشتراک کرتی ہو۔شادی کرنے کے بعد زیادہ تر خواتین کی زندگی صرف بیوی ہونے، بچوں اور کھانے پکانے تک محدود ہو جاتی ہے اور کبھی شوہر سے چوری چھپے کچھ پیسے الگ سے جمع کر لیتی ہے۔ بعد میں جب وہ اسے چیک کرتی ہے، تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر نے پیسے چوری کر لیے ہیں۔ کہاں بیچاری نے موم بتی کی روشنی سے شاندار کھانے کے ساتھ ایک رومانی رات بنانے کے لیے پیسے جمع کئے تھے، آخر کار وہ دل برداشتہ ہو کر شوہر کو بددعا دیتی ہے۔

سچ پوچھئے تو مجھ سے برداشت نہیں ہوتا کہ کسی عورت کی ایسی گپ شپ سنوں۔میں اس سے بات کرنے یا اس کی سننے کی حالت میں نہیں ہوتی۔ مجھے بھی اس قسم کی عورت کے تصور سے بھی نفرت ہے، جو ان کے لیے کوئی نئی

بات نہیں ہوتی ہے۔ کبھی میں سننے پر مجبور ہوتی ہوں، ایسی حالت میں خاموش رہتی ہوں یا جواب صرف (ہاں) میں دیتی ہوں اور اگر میں اس کے اصرار پر جواب دوں تو ایک لفظ کے ساتھ جواب دیتی ہوں۔

ظاہر سی بات ہے کہ۔ گپ شپ اب خواتین کی خصوصیت نہیں رہی، کیوں کہ اس خصوصیت والے کچھ مرد موجود ہیں، لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جو خواتین سے زیادہ باتونی ہیں۔ وہ مرد اب خاموش انسان نہیں رہا، جو کم بولتا ہے، لیکن ایک دن وہ کسی بھی چیز اور ہر چیز پر مسلسل بات کرنے میں خواتین سے مقابلہ کرتا ہے۔ شاید زندگی، اپنے موجودہ تقاضوں کے ساتھ، آدمی کو بہت زیادہ بات کرنے کا مطالبہ کرتی ہے، اور جنس مخالف کی توجہ مبذول کرنے اور اپنی صلاحیتوں کو دکھانے کی ضرورت اسے اس طریقے کا سہارا دیتی ہے جو دوسری طرف سے قریب تر ہے۔

آپ دیکھیں گے کہ تقریباً ہر کام میں ایک مرد ہے جو بہت ہی باتونی ہے۔ دن بھر، موقع پر یا کسی اور صورت میں گپ شپ نہیں چھوڑتا۔ وہ اکثر کہانیاں سناتا ہے، فلاں اور فلاں کے بارے میں بات کرتا ہے، لیکن اس صلاحیت کے سبب وہ تمام ملازمین کے قریب ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کی گپ شپ کی وجہ سے شاید وقت تیزی سے گزرتا ہے اور کام کی پریشانیوں کو بھلا دیا جاتا ہے۔

چوں کہ گپ شپ خواتین کی ایک فطری خصوصیت ہے، اس لیے میں دیکھتی ہوں کہ آج کل زیادہ تر عورتیں خاموش مرد پر ایسے مرد کو ترجیح دیتی ہیں جو بہت زیادہ باتیں کرتا ہے۔ وہ خاموش مرد کو بوریت کا احساس دلانے والا سمجھتی ہیں، کیونکہ وہ اچھی طرح سے سمجھتی ہے کہ گفتگو اظہار اور سمجھنے کا سب سے اہم ذریعہ ہے، اس لیے بہت سی خواتین اسے خاموش مرد پر ترجیح دیتی ہیں۔ لیکن اس قسم کا مرد مجھے اچھا نہیں لگتا ہے، مجھے بھی بہت پریشان کرتا ہے۔ اور جیسے زیادہ تر خواتین سمجھتی ہیں، مجھے محسوس نہیں ہوتا کہ بات کرنے والا آدمی بہت دل لگی اور ہلکا پھلکا ہے اور اس قسم کا آدمی چاہے تمام عورتیں اس مرد کو پسند کرتی ہوں، میں اسے پسند نہیں کرتی ہوں۔

باتونی آدمی وہ ہے جو معاشرتی شائستگی سے ناواقف ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ طرز عمل اس آدمی کی حیثیت کو گھٹا دیتا ہے، جو اپنی خاموشی اور اپنی عقلی گفتگو سے مشہور ہے جو آدمی بہت زیادہ باتیں کرتا ہے وہ دوسروں کے سامنے کمزور اور مضحکہ خیز نظر آتا ہے، جسے اس کی گفتگو سننے کا وقت نہیں ملتا۔ ہوسکتا ہے کہ بعض مردوں کی زندگی اور سماجی حالات کی وجہ سے وہ اپنی پریشانیوں کو بھلانے کے لیے گپ شپ کا سہارا لیتے ہیں اور ضرورت سے زیادہ باتیں کرنے میں اپنی توانائی صرف کر دیتے ہیں۔

میرا ذاتی نقطہ نظر ہے کہ خواتین کے برعکس مرد جو خود کو شامل کرتے ہیں اور کسی کو بھی اپنی تشویش ظاہر نہیں کرتے۔ ایک مرد کو سمجھدار ہونا چاہئے۔ جو مناسب وقت کے علاوہ کم بولتا ہے، جس کے لیے ضروری ہے کہ وہ بہت زیادہ بات کرے، زیادہ خاموش یا مبالغہ آرائی نہ کرے، اس لیے بہترین چیز اعتدال ہے۔ یہ بھی کہ زبان میں بہت سے کیڑے ہوتے ہیں جن میں بے معنی بات کرنا بھی شامل ہے اور اس میں وقت کا ضیاع ہے۔ بے شک کہ بامعنی گپ شپ میں فائدہ ہوتا ہے، مثلاً جب ہم دوسروں کو بتاتے ہیں کہ فلاں بھائی کو حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے یا پھر فلاں بہن نے ایک اچھا کام کیا ہے، وغیرہ تو اس قسم کی گپ شپ میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ فائدہ مند ہوتی ہے۔

سید عظمت اللہ بیابانی۔ وجئے نگر کالونی۔ حیدرآباد

اسکول کا زمانہ

پرانے کیویلو کی حویلی کے سامنے آنگن میں بیٹھا ہوا ہوں، شام کا وقت ہے، مغرب کی طرف سورج ہم سے جُدا ہوتے ہوئے رنجم وغم میں سرخ ہوتا ہوا بہت ہی غمگین کے ساتھ چھپا جارہا ہے۔ سامنے آنگن میں چمبیلی کا منڈوا اپنے خوشبودار پھولوں کے ساتھ خوشبو سے لبریز اس لئے کہ چاند کا نظارہ عنقریب ہونے والا ہے۔ دن کی تپش آہستہ آہستہ کم ہوتی جارہی ہے۔ جب کبھی خوشگوار ہوا کا جھونکا آتا ہے، یہ چمبیلی کی بیل سر پہ پھولوں کا تاج لئے ہوئے خوشی سے لہلہاتی ہے۔ بہت دن ہوئے مجھے اپنی مصروفیتوں سے کچھ آرام ملا، جب کہیں اس پرانی حویلی کے صحن میں بیٹھا نشاری کے شربت سے اپنے آپ کو سیراب کررہا ہوں۔ اس خوشگوار موقعہ پر جہاں فرش پر پانی چھڑکا گیا ہو، مٹی کی بھینی بھینی خوشبو بھی میرے دماغ کو معطر کررہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چمبیلی کے پھولوں کی خوشبو میں اور زمین کی پانی چھڑکنے کے بعد کی ایک عجیب سوندھی خوشبو میں مقابلہ ہورہا ہے۔

بزرگانِ دین کی نسبت سے یہ مقام بہت مشہور ہے۔ صرف ہمارے لئے نہیں بلکہ غیروں کے لئے بھی، جو مشہور مندروں کا مقام ترویتی ہے، وہاں جانے والے یہاں کے مندر کا درشن پہلے کرنے کے بعد ساتوں پہاڑ کے دیوتا کے درشن کے لئے جاتے ہیں۔ بزرگانِ دین کے احاطہ میں عرس کے دنوں میں قوالی کے علاوہ مشاعرے بھی منعقد ہوا کرتے ہیں۔ میں یہ سوچتے سوچتے اپنے بچپن کے اسکول میں پڑھائی کے دن کی یادوں میں کھوگیا۔

بچپن کی پڑھائی کے اوقات میں ایک قسم کا خوف طالب علموں کے ذہن میں پنپتا ہے، کبھی ہوم ورک کا ڈر تو کبھی اَسبر (by heart) کرنے کا ڈر۔ اس کے ساتھ ساتھ اُن دنوں سائیکل استعمال کرنے پر بلدیہ والوں کو ٹیکس دینا پڑتا تھا۔ بغیر ٹیکس کے سائیکل استعمال کرنے پر بلدیہ والے سائیکل اور سائیکل سوار کو پکڑ لیتے تھے۔ اِن بلدیہ والوں سے بچ نکلنے کے لئے نئے نئے راستوں سے اسکول پہنچا کرتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے اُن دنوں ولی احمد باؤلی کے پاس مسجدِ زلیخابی سے ہوتے ہوئے کوآپریٹیو کالونی (Cooperative Colony) کی گلیوں سے ہوتے ہوئے اسکول جایا کرتے تھے۔

ہمارا اسکول ایک دومنزلہ بڑی عمارت تھی، اسکول کے اندر مشرق اور مغرب کی جانب بڑے صحن ہوتے تھے جس میں طرح طرح کے پودے ہوا کرتے تھے۔ اِن سبزہ دار صحن میں مجھے اچھی طرح یاد ہے جناب سرور ڈنڈا اور جناب سلیمان خطیب دونوں مشہور شعراء کرام الگ الگ موقعہ پر اپنا کلام سنا چکے۔ پہلی منزل سے دوسری منزل پہنچنے کے لئے تختوں سے بنی ہوئی بہت ہی مضبوط سیڑھیاں تھیں۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کا کمرہ اوپری منزل میں مغرب کی طرف تھا۔ اُس سے متصل اسکول کا دفتر اور اُس سے لگا ہوا لائبریری ہال تھا۔ اسکول شروع ہونے سے پہلے اسمبلی میں جناب

برقؔ نعت سنایا کرتے تھے جو جناب جلال صاحب کی لکھی ہوئی ہوتی تھی جو اُن دنوں صوبۂ کیرلا (Kerala) میں برسرِ خدمت تھے۔ اکثر جناب برقؔ ان کی نعت ''وہ آمنہ کا لال'' سنایا کرتے تھے۔

اِس 1950ء کی دہائی میں جناب ابراہیم صاحب ہیڈ ماسٹر تھے اور اُن کے بعد جناب ملک محی الدین صاحب، ہمارے اسکول اخلاقیات اور تہذیب وتمدن میں یکتا تھا۔ اسکول کے سینئر طلباء میں مُلّا ابراہیم، جناب شہاب الدین، محی الدین اور اُن کے علاوہ اور طلباء تھے۔ اول الذکر اسکول لیڈر تھے، دوسرے کرکٹ کے کھلاڑی اور تیسرے ہاکی۔ میں اپنے ذہن کرید کر ناموں کا ذکر کیا۔ ویسے اور بھی طلباء تھے جنہوں نے اسکول کا نام بلند کرنے میں آگے آگے رہے۔ اس دہے کو ذہن میں رکھتے ہوئے اسکول کے سینئر طالب علموں کا کرتب کوئی بھول نہیں سکتا۔ جناب غوث خاں صاحب ایسا کرتب دکھا چکے کہ اب اُس پر اعتماد بہت ہی مشکل سے ہوسکتا ہے۔ غوث خاں صاحب آنکھ پر پٹی باندھے، ہاتھ میں تلوار گھماتے ہوئے اس نیم برہنہ طالب علم جو فرش پر لیٹا ہوا ہو، اُس کے پیٹ پر رکھے ہوئے پان اور کیلے کو اپنی تلوار سے شق کرتے تھے۔

اسکول کے بہتر نظم وضبط کے لئے ہیڈ ماسٹر جناب ملک محی الدین صاحب، اسکول کمپاؤنڈ کے احاطے کے شاندار مکان میں رہا کرتے تھے۔ Acc اور Ncc کے علاوہ Scouts کی بھی تربیت دی جاتی تھی۔ Ncc کے پیریڈ ہمیشہ صبح صبح ہوا کرتا تھا۔ میں اِس پیریڈ میں شامل ہونے کے لئے امین پیر روڈ سے ہوتے ہوئے نقاش کو پار کرتے ہوئے مانصاب پیٹ سے ہوتے ہوئے فرنگی قبرستان کے قریب سے اسکول کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوا کرتا تھا۔ اِن صبح کے اوقات میں بعض دفعہ شرارت، شرافت پر غالب ہوتی جیسے ایک قریبی مقام چٹورؔ سے کچھ بیل بنڈیاں (گاڑیاں) شہر کی طرف آتے وقت بنڈی بان بنڈی میں آرام سے لیٹ جاتا تھا۔ ایسے وقت بنڈی (گاڑی) کا رُخ بہت ہی ہوشیاری سے اُسی شاہراہ پر پلٹ دیا جاتا جس سے وہ بنڈی (گاڑی) جہاں سے نکلی تھی وہیں واپس چلی جاتی تھی۔ بعض دفعہ گاڑی بان اپنی نیند سے ہوشیار ہوکر پھر اپنا راستہ ٹھیک کرلیتا۔

ہمارے اسکول میں اسباق کے علاوہ ٹیلرنگ، کارپینٹری اور ڈرائنگ بھی سکھائی جاتی تھی۔ بند کمرے کی تعلیم کے علاوہ قدرتی مناظر سے سبق حاصل کرنے کے لئے Field Study ' Excursion اور باغ تماشہ (Picnic) کے لئے قریبی مقامات جیسے پالکنڈہ، گنڈی، خاص باغ، راپچوٹی کی گھاٹ اور چنور کی پینّار ندی (Pennar river) کو جایا کرتے تھے۔ اُن دونوں بیس ''کول گیاس'' سے چلا کرتی تھیں۔ سرکس دیکھنے کا موقعہ بھی ہمیں ملتا تھا۔ ایک خاص کرتب جواب نایاب ہو چکا ہے، وہ مجھ سے بھولا نہیں گیا۔ سرکس کا ایک کرتب کرنے والا زندی چھوٹی چھوٹی مچھلیاں پانی کے ساتھ پی لیتا تھا، تماشہ بین اِن زندہ مچھلیوں کو نگلتے ہوئے اُسے دیکھتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص اپنے منہ سے زندی مچھلیاں پانی کے ساتھ اُگل دیتا تھا۔ اُن دنوں یہ بات بھی مشہور تھی کہ ہاتھی کا فُضلہ (Excreta) پر پیر جمانے سے آئندہ کبھی بھی پیروں میں درد کی شکایت نہیں آتی۔

میں یہ سوچتے سوچتے اِس چمبیلی کے منڈوے تلے بچھے ہوئے بستر پر لیٹے لیٹے چاند کی چاندنی میں مسرور پاتے ہوئے، نیند کی گود میں چلا گیا۔

خیر النساء علیم۔ملک پیٹ،حیدرآباد

''ہائے یہ نیا دور''.....

نوجوان نسل قوم وملک کی طاقت ہے اور نوجوان قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں ہر دور میں مسلم نوجوانوں نے قوم اور ملک کے لئے اتنے کارآمد کارنامے انجام دیئے ہیں کہ تاریخ کے صفحات، تنگدامنی کا شکوہ کرتے نظر آتے ہیں۔ قوم، ملک، معاشرہ وگھر کی تعمیر، ترقی میں نوجوان کا کردار کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔

مسلم نوجوانوں نے ایسے تاریخی وآفاقی کام کئے کہ آج بھی اغیار وغیر مسلم مورخین انگشت بدنداں ہیں۔مگر افسوس زمانہ حال کے مسلم نوجوانوں کے حالات اس کے بالکل برعکس ہیں۔آج مسلم معاشرہ کئی خرابیوں سے برسر پیکار ہے۔آخر مسلم نوجوان نسل (بشمول لڑکیوں) کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لئے سنجیدہ نظر نہیں آرہے ہیں۔کیا نوجوان اس کو فراموش کر بیٹھے ہیں کہ آخرت میں کیا آپ شفاعت نبی ﷺ کے خواہش مند نہیں ہیں، تو پھر اسلام اور اسلامی تعلیمات سے اتنی بے رخی کیوں؟ جب ہمارا کردار غیر اسلامی ہو اور مقصد غیروں کی جی حضوری ہو تو کیا محشر میں حساب آسان ہوگا اور شفاعت کے لئے کیا منہ لے کر جائیں گے۔ اسلامی تعلیمات پر عمل ہمارا دینی فریضہ ہے۔مسلم نوجوان اگر اللہ اور رسول کی رضا کے لئے کمربستہ ہوجائیں تو پھر وہ دن دور نہیں ہوگا جب غیر ہمیں دیکھ کر اسلام کی حقانیت کے آگے سرنگوں ہوجائیں گے۔

تقریباً مسلم نوجوان طبقہ اپنا قیمتی وقت تعلیم وہنر میں صرف کرنے کے بجائے کرکٹ، فٹبال، شطرنج، چائنگ، لڑکیوں سے عشق ومعاشقہ، چھیڑ چھاڑ میں وقت صرف کرتے ہیں۔جس قوم کے نوجوانوں کی حالت ایسی ہو تو پھر کیا کیا جائے۔کسی بھی کھیل میں دلچسپی رکھنا بری بات نہیں ہے۔مگر کھیلوں میں کامیابی کو مقصد بنانا بری بات ہے۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

اکثر مسلم نوجوانوں کا طبقہ مختلف قسم کے کھلاڑیوں کو اپنا آئیڈیل مانتا ہے۔کیا یہ وقت گذاری کرنے والے کھلاڑی ہم مسلم نوجوانوں کے آئیڈیل ہوسکتے ہیں۔کیا انہیں آئیڈیل سمجھنا ہمارا شیوہ ہوسکتا ہے۔

مسلم نوجوانوں کا دوسرا حصہ بدقسمتی سے فلمی دنیا کے فنکاروں کی محبت میں گم ہوچکا ہے۔اکثر نوجوان اپنے گھروں، دکانوں، بعض نوجوان تو اپنے منی پاکٹوں میں تک فلمی ستاروں کی تصویریں رکھتے ہیں اور فلمی ستاروں کو اپنا آئیڈیل سمجھتے ہیں.....

مسلم نوجوانوں کا تیسرا طبقہ شومئی قسمت سے لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ وعشق بازی میں مبتلا ہے۔اور جب سے مسلم نوجوان لڑکے لڑکیاں اس نام نہاد عشق میں مبتلا ہوئے ہیں تب سے ملت اسلامیہ کو کافی نقصان ہوا۔ہمارے

نوجوان اس نام نہاد عشق کے چکر میں پھنس کر اسلام کو رسوا کررہے ہیں۔

مسلم نوجوانوں کا چوتھا طبقہ جو تعلیم یافتہ اور دینی مزاج بھی رکھتا ہے یہ طبقہ اسلامی تعلیمات پر عمل بھی کرتا ہے۔مگر افسوس یہ طبقہ مسلکی جنگ وجدال میں مصروف ہے۔کلمہ پڑھنے والے مسلم نوجوان دین ومسلک کے نام پر آپس میں ایک دوسرے کا گریبان تھامے ہوئے ہیں۔''کیا اسلام کی یہی حقیقی تعلیم ہے؟ کیا اس طرح کی حرکتوں سے اسلامی تشخص متاثر نہیں ہوگا قرآن وحدیث کے نام پر جھگڑے کرنا آخر کون سی نیکی ہے؟

بس میرے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ آج بھی وقت ہے کہ مسلم نوجوان اپنے ماضی کی طرف لوٹ جائیں اور اسلام پر عمل آوری یقینی بنائیں۔آخر ہم کب تک ادھر اُدھر بھٹکتے رہیں گے خدارا اپنے قول وفعل کو اسلامی آئین کا نمونہ بنائیں۔اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ مسلم نوجوانوں کو اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق دے۔(آمین)

اس میں کوئی شک نہیں کہ شادی کے بعد لڑکی کا اصل گھر شوہر کا گھر ہوتا ہے میکہ نہیں۔شادی کے بعد لڑکی کو اپنے شوہر کے گھر ہی رہنا چاہئے۔کیوں کہ یہ ایک دوسرے کے لئے لباس اور قلعہ ہیں۔اصل مسئلہ یہ ہے کہ لڑکا شادی کے لئے پردیس سے متعین مدت کے لئے چھٹی پر آتا ہے۔کم وقت میں اشتہارات کے ذریعہ دولت مند، خوبصورت پری چہرہ تعلیم یافتہ لڑکی درکار ہوتی ہے۔اس دوڑ دھوپ میں لڑکا دو تین بار آتا اور چلا جاتا ہے۔لڑکی پسند نہیں آتی یا پسند نہیں کی جاتی۔کیوں کہ شادی ہوگئی تو لڑکے کی آمدنی میں ایک حصہ اور بڑھ جائے گا۔اور پھر آخر میں لڑکا ہی یہ اعلان کردے کہ اس بار شادی کرکے ہی جانا ہے، تب ایسی لڑکی سے رشتہ طے کیا جاتا ہے جو ان سے زیادہ دولت مند، خوبصورت اور تعلیم یافتہ ہو۔ایسی لڑکی سے سسرال میں ٹک کر رہنا اور ساس نند بھاون کی کھٹی میٹھی باتیں سننے کی توقع کرنا عبث ہے۔

اگر لڑکی کا انتخاب کرتے وقت خاندان یا جان پہچان کی غریب یا متوسط، ملنسار، خوبصورت، ضروری حد تک تعلیم یافتہ جیسے امور ملحوظ رکھتے تو گھر میں خوشحال ماحول برقرار رکھا جاسکتا تھا۔موجودہ دور میں اس بات کو ترجیح دی جائے کہ شادی کے بعد دلہا، دلہن ساتھ رہیں۔یہ ایک طبعی اور فطری عمل ہے۔یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شادی ایک لڑکے اور لڑکی کی نہیں بلکہ ایک خاندان کی دوسرے خاندان سے ہوتی ہے۔جن کے رہن سہن، رسم ورواج اور طور طریقوں میں کچھ نہ کچھ اختلاف ضرور ہوتا ہے۔اجنبی ماحول میں لڑکی کا شریک حیات بھی ساتھ نہ ہو تو اجنبیت کا احساس کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے۔ان حالات میں اہل خاندان اگر اس کی ہمت افزائی کریں۔اس کی کوتاہیوں کو درگذر کریں اور خاندان میں گھل مل جانے کی پرخلوص کوشش کریں تو یہ میکہ جانے کی سوچ بھی نہیں سکتی.....

گھریلو کام کاج میں اہل خاندان ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں تو اپنائیت کی فضاء بنتی ہے.....شوہر کی غیر موجودگی میں لڑکی کبھی سسرال اور کبھی میکہ میں رہے تاکہ دونوں خاندانوں میں اس کے وجود سے خوشی اور مسرت کا احساس ہوتا رہے۔.....

بیٹی، ماں باپ کے گھر آتی ہے تو بہت خوش ہوتی ہے، مگر اس سے زیادہ خوشی ماں باپ کو اس وقت ہوتی ہے جب بیٹی سسرال میں خوش رہتی ہے۔ساس سسر جب تک

یاسین ہابیلؔ (حیدرآبادی)

دُعا

صدا اللہ اکبر سے مرا دل جہاں سے بے خبر ہوجائے
نہ تو قلب ہی بھٹکنے پائے نہ ذہن منتشر ہوجائے
مری نماز خشوع وخضوع کا اک سمندر ہوجائے
اِس سبب روح مُطہر وقلب منور ہوجائے
قیام اتنا طویل ہو کہ قدم بن جائیں گواہ
قرآن خوانی کی بدولت مری چشم تر ہوجائے
جب بھی ہابیلؔ کی جبیں خم ترے در پر ہوجائے
تری اک نظرِ کرم سے مری آخرت سنور جائے
ہر قدم پر کامیابی اُس کے قدم چومے
یا خدا ہابیلؔ کی دُعاؤں میں وہ اثر ہوجائے

ظہور ظہیرآبادی۔حیدرآباد

غزل

جو غیر ہوکے بھی اپنا دکھائی دیتا ہے
مجھے تو کوئی فرشتہ دکھائی دیتا ہے
بھٹک رہا ہے فلک پر جو آج بھی تنہا
مرے نصیب کا تارا دکھائی دیتا ہے
غموں سے ساقی کے میکش کو کیا غرض یارو
اسے تو مئے کا ہی پیالہ دکھائی دیتا ہے
فلک پہ چاند کو میں جب بھی دیکھ لیتا ہوں
مجھے تو تیرا ہی چہرہ دکھائی دیتا ہے
جہاں سکون سے رہتے ہیں غم جہاں بھر کے
یہ دل ہی ایسا ٹھکانہ دکھائی دیتا ہے
کبھی جو پاس سے دیکھو تو صرف ہے پیتل
جو شخص دور سے سونا دکھائی دیتا ہے
ہے اس کے پاس سمندر ظہور دولت کا
مگر وہ آج بھی پیاسا دکھائی دیتا ہے

زندہ ہیں الگ گھر میں رہنے کا خیال تک دل میں نہ لائیں۔ البتہ ساس سسر اپنی خوشی سے الگ کردیں تو کوئی حرج نہیں۔

ماں باپ اپنی بیٹیوں کو صبر وتحمل، عفو ودرگذر، معاملہ فہمی، وفاداری ایثار وقربانی اور محنت ومشقت کا عادی بنائیں۔ بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت، معاملات میں نرمی اور خاندان کی اچھی اور مثالی بہو بننے کی تعلیم دیں۔ انہیں بار بار بتائیں کہ خلوص ومحبت زم زم کے چشمے کی طرح ہوتا ہے۔ جتنا بانٹو اتنا ہی بڑھتا ہے۔ دنیا میں سب لوگ برے نہیں ہوتے۔ ہر خاندان میں نیک طبیعت، عدل پسند اور مخلص لوگ ہوتے ہیں۔ صبر کا پھل ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے۔ ساس، نند اور بھاوج کے رشتے بڑے نازک ہوتے ہیں۔ ان کی کسی ناگوار بات کو مسکرا کر برداشت کرلینے سے دلوں میں محبت اور نیک نامی کی خوشبو دور تک پھیل جاتی ہے۔ ساس، نند، بھاوج بھی نئی بہو کو گھر کا ایک فرد سمجھ کر اس کو وہ پیار دیں جو اس کو اپنے ماں، باپ، بہن، بھائی سے ملتا تھا، تو وہ میکے جانے کے بارے میں زیادتی نہیں کرے گی، معاشرے میں آج بھی ایسی مثالیں موجود ہیں۔

تشکیل انور رزاقی۔حیدرآباد

حضرت نادرؔ اسلوبی

ورنگل کے نامور منفرد لب ولہجہ کے شاعر

حضرت نادرؔ اسلوبی کا اصلی نام غلام علی شاہ قادری اوران کے والد کا نام حضرت احمد علی شاہ قادری ہے۔انہوں نے اپنا قلمی نام درا سلوبی رکھا اور تقریباً 70 سال سے مشغلۂ شعر وسخن میں گذارے۔ ان کا یکم اکٹوبر 2018ء کو شہر حیدرآباد میں انتقال ہوا، تدفین اور درگاہ سید شاہ معشوق ربانیؒ ورنگل میں عمل میں آئی۔

تخلص نادرؔ اسلوبی شہر ورنگل میں تجارت کرتے تھے، گھانسی بازار حیدرآباد میں ان کی قیام گاہ موجود ہے۔ پہلے انھوں نے صائب رزاقی کے تخلص سے شاعری کی۔ حیدرآباد وہندوستان کے نامور شاعر حضرت طالب رزاقیؔ کے شاگرد تھے وہ ورنگل اور دیگر شہری انجمنوں سے وابستہ رہے۔ نادرؔ اسلوبی صاحب کو کئی ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔ جیسے بزم علم وادب کی جانب سے سعید شہیدیؔ ایوارڈ، ماہنامہ گونج نظام آباد کی طرف سے گونج باوقار ایوارڈ عطا کیا گیا۔ ورنگل کی اردو انجمنوں کی جانب سے جشن نادر اسلوبی ورنگل میں شاندار پیمانے پر منایا گیا۔تحریک قلم ورنگل نے اُن کی ادبی خدمات کے اعتراف میں ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔ادارۂ سوغات نظر کی جانب سے اُن کی فکروفن کا جائزہ اجلاس منعقد ہوا۔ اس کے علاوہ ادب صادق حیدرآباد کے زیر اہتمام نادر دکن کا خطاب اور بزم طالب رزاقی کی جانب سے 6 جنوری 2018ء کو طالب رزاقیؔ یادگار ادبی اوارڈ قابل ذکر ہیں۔

نادر اسلوبی جدہ، ریاض اور سعودی عرب کے مختلف شہروں میں ان کو مشاعرے پڑھنے کی دعوت دی گئی، نیز ہم ہندوستانی کے نائب صدر میر لیاقت علی ہاشمی نے نادر اسلوبی کی صدارت میں مشاعرے بھی کروائے، سعودی عرب میں ان سے شاعری کے تعلق سے انٹرویو بھی لیا گیا۔ پدر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کے پسر داؤد اسلوبی بھی شاعری کے میدان میں اپنے والد کی طرح طبع آزمائی کررہے ہیں۔

ورنگل کے اس نامور استاد سخن نادرؔ اسلوبی کی شاعری جذبات دلی کی ترجمان ہے۔ یہ سوز جگر، پھولوں کی تازگی، محبت کے اظہار اور کاغذ پر گلاب اُگانے کا نام ہے۔ غموں کے اندھیرے میں اجالے بکھیرنے کا نام ہے، کہتے ہیں کہ شاعری ایک خداداد صلاحیت ہوتی ہے اور جسے یہ دولت مل جائے وہ بے ساختہ شعر کہنے لگتا ہے، نادر اسلوبی پر یہ بات صادق آتی ہے۔ انھوں نے خون جگر سے شعر وسخن کے گلشن کو سنوارا ہے، کبھی لفظوں کی بازیگری نہیں دکھائی اور نہ قافیہ نبھانے کی کوشش میں غزل کی روح کو مجروح کیا ہے۔ نادرؔ اسلوبی کے اشعار ذہن پر دستک ہی نہیں دیتے بلکہ راست دل میں اتر جاتے ہیں۔

نادر اسلوبی حیدرآبادی تہذیب کے نمائندہ، مخلص اور سادگی پسند شخص تھے۔ انھوں نے ادب اور شاعری کو اپنے وجود کا حصہ بنالیا تھا۔ ہر صنف شاعری پر طبع آزمائی کی ہے۔ غزل اُن کی پسندیدہ صنف رہی، اور اس کے تمام لوازمات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کے ساتھ انصاف کیا ہے۔ شاعرانہ رکھ رکھاؤ، وضعداری اور میزبانی ان کی شخصیت کا خاصہ تھے، ان کا

لہجہ دل آویز اور پُر تاثیر تھا۔اس لیے بھی شاعری کی دنیا میں ایک خاص مقام بنالیا تھا۔ ہندوستان سے شائع ہونے والے مشہور اخبارات اور رسائل میں ان کا کلام شائع ہوتا رہا ہے۔ بلکہ اُن کی وفات کے بعد بھی ''ھما'' جیسے ادبی ماہنامہ میں ان کا کلام شائع ہورہا ہے۔دلوں کو چھو لینے والا غزلوں کا بانکپن پڑھنے والوں کو متاثر کرتا ہے۔غزل اور اس کے معیار سے آشنا یہ شاعر محترم ہمیشہ قدرت کے ودیعت کردہ ہنر کے استعمال سے پھول کی پتی سے ہیرے کا جگر تراشنا جانتے تھے۔

نادر اسلوبی ورنگل کے ایوان ادب کی رونق تھے اپنے افکار، خیالات اور برتاؤ سے وہ ہر ایک کے ہر دل عزیز شاعر بن گئے تھے۔اگر یہ کہا جائے کہ انھوں نے سخنوری کا حق ادا کردیا ہے تو بیجا نہ ہوگا۔انھوں نے فضائے ادب میں کامیابی کا پرچم لہراتے ہوئے اپنی پہچان بنائی۔وہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر تھے، اسے بہت عزیز رکھا۔ان کی غزلیں اور شاعری منفرد لب ولہجہ سے متعارف کرواتی ہیں۔شائستہ انداز بیان انھیں اسلوبی بناتا ہے۔اس کے اعتراف میں خود ان کا کہنا ہے۔

نادر اپنے ہی دُکھ میں کب پوچھے
غیر انجان کیوں نہ ہوجائے

حضرت نادر اسلوبی کی شاعری پر الہام کا گمان ہوتا ہے۔حضرت طالب رزاقی کی تربیت کا فیضان ہی کہیئے کہ وہ فن شاعری کے مطلع پر ایک روشن ستارہ کی طرح طلوع ہوئے۔اگر کسی کو شاعری عطیہ خداوندی کے طور پر مل جائے تو نہ صرف اس کا اندرون بدل جاتا ہے بلکہ وہ حساس اور ذمہ دار شخصیت کا روپ دھار لیتا ہے۔وہ ایک عظیم انقلاب کا نقیب بن جاتا ہے اور اپنی شاعری کے ذریعہ سماج کی بُرائیوں کی نشاندہی کرتا، اس کو آئینہ دکھاتا اور حقیقت آشنا بن کر سیدھی، سچی راہوں احساس دلانے میں ہمہ تن مصروف رہتا ہے۔تو پھر ہم نادر اسلوبی کی شخصیت وشاعری کو ان اصاف سے متصف سمجھنے میں کوئی غلطی نہیں کریں گے۔وہ ورنگل کے شعراء کی فہرست میں سرفہرست ہی نہیں بلکہ ارض دکن کے ممتاز شاعروں میں ان کا نام روشن حروف میں لکھا پائیں گے۔وہ غم جاناں سے غم دوراں کا سفر نہایت آسانی سے مکمل کرتے نظر آتے ہیں خود انھوں نے اپنی فن پاروں کو مخصوص شعری نقطہ نظر سے دیکھا اور لفظ وبیان کی روشنی میں اسے پرکھا اور برتا ہے گویا کسی تخلیق کے تعمیری اجزاء میں ادبی معیار کو اہمیت دی ہے اس سلسلے میں محبت بنیادی ضرورت بن جاتی ہے وہ خود کہتے ہیں۔

دوستوں کی دوستی بھی دیکھ لی
دشمنوں سے دوستی ہے اِن دنوں

نادر اسلوبی اشعار کی زبانی انسانی وجود کے آئینہ میں زندگی کے گہرے شعور کا جلوہ دکھاتے ہیں۔کائنات کے مناظر، موجودات کا مشاہدہ اور ان سے گہرا ربط رکھتے ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ذات اور کائنات کے رشتہ کو اُس درویش کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں جو ماضی، حال اور مستقبل کو ایک کڑی میں پروکر تاریخ وتہذیب کے مناظر اس میں سمودے اور ایک رہنمائی کی صورت اختیار کرلے تاکہ اصل منزل پر پہنچنا آسان ہوجائے۔بے جان خارجی شاعری جذبات کی عکاس نہیں ہوسکتی اس لیے انھوں نے دلی جذبات، ذاتی تجربات اور محسوسات کو وسیلہ بنا کر شاعری کا سفر طرے کیا ہے جو ہر دل کی آواز بن گئی ہے۔انھوں نے کام اور نام دونوں کی بقا کا سامان کیا ہے، باقی رکھا ہے۔اس لیے اُن کے گزر جانے پر افسوس ہوتا ہے کہ وہ زندہ رہتے تو مزید اردو شعر وسخن اور اس کے ادب کے فروغ دینے میں اضافہ ہوتا، لیکن اُن کی شاعری ان کے نام وکام کو ہمیشہ زندہ رکھے گی اور ان کے وفات پر افسوس فطری عمل ہوگا۔کسی نے خوب کہا ہے....

موت اس کی ہے جس کا کرے زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آتے ہیں مرنے کے لیے

منظر عالم (منظر ریونڈھوی)۔ قاضی احمد ڈگری کالج، جالہ، دربھنگہ

''سرسید احمد خاں اور ان کی علی گڑھ تعلیمی تحریک''

آج ایک ایسے عظیم شخصیت کے بارے میں کچھ ذکر کرنے جارہا ہوں جو ہندوستان کی سرزمین سے لے کر بین الاقوامی سطح پر کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ان کا نام زمانہ قدیم میں بھلے ہی جس مقصد یا نیت سے لیا جاتا تھا مگر آج بڑے احترام وسلیقہ سے لیتے ہیں اور وہ دنیا میں اپنے اچھے عمل اور ترقی پسند ذہانت کا ثبوت پیش کر کے ہندوستانی مسلمانوں کے روشن مستقبل کی راہ نکالی ہے جس کے لئے نہ جانے کٹر قسم کے مسلمانوں اور تنگ ذہن علماؤں کے فقرے بازی کے شکار اور انگریزوں کے سخت رویہ سے پریشان جواں عزم شخص میری مراد سرسید احمد خاں سے ہے۔ جن کی پیدائش ۱۷ر اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی کے ایک علم دوست اور آسودہ حال گھرانے میں ہوئی۔ لیکن بنیادی طور پر ان کے آباؤ اجداد ہرات کے رہنے والے تھے جو شاہ جہاں کے عہد میں ہندوستان آئے اور مغل سلطنت میں اعلیٰ عہدہ سے سرفراز ہوئے۔

سرسید احمد خاں کے والد سے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے ایسے تعلقات تھے کہ انہیں بھائی متقی کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے اور موصوف کے علاوہ ان کا کنبہ تقریباً ڈھائی سو سال تک مغلیہ سلطنت کے زوال تک اپنی وفاداری نبھائی۔ سرسید کی پہلی معلمہ اور تربیت میں ان کی والدہ کا بڑا ہاتھ تھا، جو ایک نیک اور رحم دل خاتون بھی تھیں۔ دہلی میں ہی انہوں نے اپنی تعلیم حاصل کی۔ جب کسب معاش کی فکر نے گھیرا تو تقریباً اکیس بائیس برس کی عمر میں انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت قبول کرلی اور محنت و ایمانداری کی بدولت سررشتہ داری سے شروعات کر کے صدر امین کے عہدے تک پہنچے اور اس مجاہد مسلمانوں کو بیدار کرنے والا اور اردو نثر میں نئی جان جان ڈالنے والا یہ محسن ۱۸۹۸ء میں ابدی نیند سو گیا اور انہیں اپنے محبوب کالج کی مسجد میں دفن کئے گئے۔

ایک انگریز ولیم میور نے ''لائف آف محمدؐ'' لکھا اور سیر پاک کے خلاف زہر افشانی کی جب سرسید احمد خاں نے یہ کتاب پڑھی تو مضطرب ہو گئے تمام اثاثہ فروخت کر کے بلکہ دوستوں سے قرض لے کر ۱۸۶۹ء میں انگلستان گئے اور وہاں جانے کا ایک مقصد تھا کہ تعلیمی اداروں کا مطالعہ کرنا اور ہندوستان میں اسی طرز کا ایک کالج بھی قائم کرنا۔ چنانچہ وہاں سے واپس آنے کے بعد انہوں نے ۱۸۷۷ء کے شروع میں لارڈ لیٹین کے ہاتھوں مسلمانوں کے لئے ''محمڈن اینگلو اورینٹل کالج، کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس کے علاوہ انگریزی اسکول مراد آباد، دوسرا غازی پور میں کھولا، ساتھ ہی سائنٹیفک سوسائٹی اور ایجوکیشنل کانفرنس بھی قائم کیا۔ چونکہ انیسویں صدی کا نصف آخر مسلمانان ہند کی تاریخ کا انتہائی پرآشوب اور صبر آزما دور تھا۔ مسلم معاشرہ جو عرصہ دراز سے جہل، قدامت پسندی، کورانہ تقلید، لہو ولعب اور دوسرے مہلک مرض میں مبتلا تھا اسی سے متاثر ہو کر علی گڑھ تعلیمی تحریک شروع کیا۔

علی گڑھ تعلیمی تحریک ـــــــ بنیادی طور پر تعلیمی اور ثقافتی تحریک تھی۔ اس نے جدید تعلیم کی مدد سے اپنے طلباء میں غور وفکر کی صلاحیت پیدا کی، علی گڑھ نے جدید ہندوستان کی تعمیر میں ایک مثبت رول ادا کیا۔ اس تحریک نے مسلمانوں کو ایک نئی صبح کے طلوع ہونے کا پیغام دیا جس کے لئے سرسید احمد خاں نے چندہ سے لے کر مزدوری تک کی راہ اختیار کی اور تمام مصائب سے ہمکنار ہوتے ہوئے اپنی زندگی میں مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اپنی محنت ولگن میں ہمیشہ جنون پیدا رکھا اور اسلام کی تعمیر نو جیسے اہم کام میں سرسید احمد خاں نے شاہ ولی اللہ تحریک سے فیضان حاصل کیا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ موجودہ زمانہ سائنس اور دیگر علوم عقلیہ کا ہے۔ کیونکہ اس میں اتنی وسعت اور ہمہ گیری ہے کہ وہ ہر زمانے کے تقاضوں کو پورا کر کے دکھایا ہے۔

سرسید احمد خاں انگلستان سے واپس آنے کے فوراً بعد میور (Willaim Mayur) کی لکھی ہوئی کتاب ''لائف آف محمدؐ'' کا دندان شکن جواب لکھا جو بعد میں ''خطبات احمدیہ'' کے نام سے شائع ہوا۔ یہ کتاب استدلال یعنی عدلیل انداز بیان کا بہترین نمونہ ہے اور ''تہذیب الاخلاق'' کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا جس کی بدولت مسلمانوں کی زندگی میں لہر پیدا ہوگئی۔ حالانکہ سیاسی اقتدار چھن جانے کے بعد مسلمانوں کی زبوں حالی ۱۸۵۷ء میں نشاۃ ثانیہ کی شکلمیں نمودار ہوا جو بغاوت کے رخ کو پلٹنے کی ناکام کوشش تھی۔ انگریز قوم اس حقیقت سے پوری طرح واقف تھی کہ اس بغاوت کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے اس لئے ان پر ظلم کا پہاڑ توڑا، ہزاروں مسلمان جن میں علماء اور شاہی خاندان کے افراد بھی شامل تھے، تہہ تیغ کر دیئے گئے اور ہر جگہ مسلم قوم کو شک وشبہ اور حقارت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا اور اس طرح مسلم قوم کا مستقبل تاریک ہوگیا۔ جس کے نتیجہ میں ہندوستانی عوام سیاسی، ذہنی، معاشی طور پر غلام ہوگئے تھے۔ ان تمام واقعات سے انہیں اتنا صدمہ پہونچا کہ ان کی آنکھوں کی نیند اڑ گئی اور ان کے بال سفید ہوگئے لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور ایک سچے مصلح اور مفکر کی حیثیت سے غور وفکر کرتے رہے۔ اس لئے انہوں نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے ایک نیا راستہ اپنایا اور وہ راستہ یہ تھا کہ انگریزی حکومت کے زیر تسلط معاشرہ میں بہتر یکی صورت پیدا کی جائے۔ مسلم اور انگریزوں کے درمیان دشمنی اور نفرت کی دیوار گرادی جائے اور سیاسی ومذہبی اختلافات کو ختم کیا جائے۔ اسلامی تعلیمات کے از سر نو جدید علوم، سائنس اور فلسفہ سے ہم آہنگ کیا جائے جس سے تعلیم یافتہ مسلمان اسلامی عقائد کو قائم رکھتے ہوئے نئے تقاضوں کو سمجھیں اور اس کا حال نکالتے ہوئے روشن مستقبل کی فکر کریں اور حکمراں طبقہ کی برابری کر سکیں، اس مشن کی کامیابی کے لئے سرسید احمد خاں نے اپنی عمر کا ایک قیمتی لمحہ وقف کر دیا۔

مسلم معاشرہ کی اصلاح اور تجویدی تحریک، علی گڑھ تعلیمی تحریک کے نام سے مشہور ہوا اور اس تحریک کا مسکن علی گڑھ کو ہی بنایا گیا تھا۔ انگریزوں کی غلط فہمیاں جو مسلمانوں کے خلاف تھیں اسے دور کرنے کے لئے انہوں نے رسالہ ''خیر خواہان مسلمان'' اور ایک طویل مضمون ''احکام طعام اہل کتاب'' بھی ۱۸۶۹ء میں لکھا جس کے ذریعہ دونوں قوموں کے اندر قربت پیدا کرنے کی بے حد کوشش کی گئی۔

علی گڑھ تعلیمی تحریک کا اہم پہلو مذہبی اور سماجی اصلاحات بھی ہیں جو وقت و حالات کی ضرورت کو محسوس

کرتے ہوئے سرسید احمد خاں ہندوستانی عوام کو سائنس اور جدید علوم کی تعلیم دینا طلبہ میں اعتدال پسندانہ نقطہ نظر پیدا کرنا، انگریزی تعلیم سے بہرہ ور کرنا اس کی اہمیت کو واضح کرنا مسلمانوں کے پستی کے اسباب کا جائزہ لینا اور ان کو دور کرنے کے لئے اقدامات تجویز کرنا تھا اور اس کام کو کرنے کا فخر سرسید احمد خاں اور علی گڑھ کو حاصل ہوا، بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ علی گڑھ تعلیمی تحریک ایک ہمہ جہتی تحریک تھی جس نے زندگی کے تمام روشن پہلوؤں کو اپنے اندر سمولیا۔ حالانکہ دوران تحریک بہت سارے مخالفتیں پیدا ہوئے لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ وقت وحالات کو دیکھتے ہوئے رفتہ رفتہ اس عہد کی تمام شخصیتیں مثلاً مولانا حالی، شبلی، ذکاء اللہ اور محسن الملک وغیرہ بھی ان کے شامل ہوگئے۔

میں اکیلا ہی تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور قافلہ بنتا گیا

علی گڑھ تعلیمی تحریک بنیادی طور پر تعلیمی وار ثقافتی تحریک تھی جس کی بدولت جدید ہندوستان کی تعمیر میں ایک مثبت رول ادا کیا جس کا نتیجہ آج ہم لوگوں کے سامنے ہے اور اگر تھوڑی بھی قدر ومنزلت ہندوستان میں مسلمانوں کی باقی ہے تو وہ علی گڑھ تعلیمی تحریک کا ثمرہ ہے۔

علی گڑھ کا دوسرا دور سرسید احمد خاں کے انتقال کے بعد شروع ہوا۔ ۱۹۶۰ء میں کالج یونیورسیٹی میں تبدیل ہوگئی۔ تیسرا دور ۱۹۲۰ء سے شروع ہوکر ۱۹۴۷ء کے ملک کی تقسیم پر ختم ہوا اور آج ہندوستان کے نامور یونیورسیٹیوں میں علی گڑھ کا نام فخر سے شمار کیا جاتا ہے۔ تمام سرگرمیوں اور مصروفیت کے باوجود سرسید احمد خاں اپنے ادبی ذوق کی تکمیل کے لئے وقت نکالتے تھے، ان کی ادبی دلچسپیوں کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ تاریخ، سیاست، آثار قدیمہ، صحافت، ادب، مذہب اور سائنس جیسے موضوعات پر انہوں نے خامہ فرسائی کی اور اردو زبان وادب کی ترقی وترویج کے سلسلے میں بھی علی گڑھ تعلیمی تحریک کے خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

ہماری شاعری اور نثر پر سرسید احمد خاں کا احسان ہے کہ ان کی توجہ اور کوشش سے دونوں نے نئی زندگی پائی اور نئی منزلوں کی طرف قدم اٹھایا۔ بلکہ سرسید احمد خاں کی جو ادبی خدمات ہیں ان کو مجموعی طور پر یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے ملک میں سرسید احمد خاں ہی پہلے وہ شخص تھے جنہوں نے روایت کی عام ڈگر سے ہٹ کر آزادی خیال کو پہلے رواج دیا جس کے عقائد میں عقل، نیچر، تہذیب اور مادی ترقی کا بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ سرسید احمد خاں ادب میں جدت، ہمہ گری، ایک مقصد، ایک سنجیدگی اور ایک خاص طرح کی معقولیت پیدا کی اور ادب وسماج کے رشتے کو استوار کیا۔

سرسید احمد خاں کو چونکہ تاریخ سے گہری دلچسپی تھی اسی بنا پر انہوں نے علمی دولت محققانہ انداز پر ہندوستان کی تہذیبی ورثہ کی حفاظت کے لیے اپنی مشہور کتاب ''آثار الصنادید'' تصنیف کی۔ جس میں دہلی کی تاریخی عمارتوں اور نامور لوگوں کے حالات چھان بین کے بعد لکھے گئے جو ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئی اور اس کتاب کے ذریعہ مسلمانوں کو خبردار کیا۔ زندگی میں اصلاح اور دل میں حوصلہ رکھنے کا جذبہ پیدا کیا۔ ملازمت کے سلسلے میں بجنور ان کا قیام تھا اور ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے فوراً بعد اسباب بغاوت ہند اور تاریخ سرکشی بجنور کتابوں سے تاریخی حقائق پر ان کی نظر اور سیاسی مسائل کی پرکھ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔''

اندھے

پرواز احمد۔ ریسرچ اسکالر بنارس (یوپی)

کاش! میں نابینا ہوتا
تو میرا یہ اندھا پن مجھے انسان بناتا
مجھ سے پاکیزہ محبت کراتا
مجھے اس کے بدن کے
نشیب و فراز کی لذت سے نا آشنا رکھتا
تب مجھے اس کی آواز بھی
کویل کی کوکو کا سا سکون دیتی
اور میرے کانوں کے ذریعے میرے دل میں اترتی جاتی
مگر یہ تب ہوتا جب میں اندھا ہوتا
میری مردانگی اس وقت ثابت ہوتی
جب میں اندھا ہوتا
میں اندھا، طوائف کے کوٹھے پر جاتا بھی
تو میرا اندھا پن مجھے گرا دیتا
کوٹھے کی سیڑھیوں پر گرنا
اور پھر اٹھ کر چڑھنا
پھر گرنا اور پھر اٹھنا
اور پھر چڑھنا
میری ہمت، میرا حوصلہ
میرا اندھا بدن گوارا نہ کرتا
میرا اندھا بدن گوارا نہ کرتا
میں بے خوف اور سچی زندگی بسر کرتا
تب! جب میں اندھا ہوتا
میں انسان کی قابلیت کا حامی ہوتا
لوگوں کے روب سے بے خوف ہوتا
تاناشاہ کے سامنے بھی
بے خوف انقلاب کی باتیں کرتا

تب! جب میں اندھا ہوتا
عورتوں اور معصوم بچیوں کی عزت کرتا
جن عورتوں کی آبرو لوٹی جا رہی ہے
جن بچیوں کے جسموں سے
روح کو ادھیڑا جا رہا ہے
وہ محفوظ ہوتیں حیوانوں سے
جب حیوان اندھا ہوتا
لباسوں اور چہروں کو دیکھ کر
ایوانوں میں رام اور اللہ کے نعرے نہ لگتے
بات ہوتی ملک کے اتحاد کی
بات ہوتی عوام کے حق کی
جب ایوان میں موجود ہر شخص اندھا ہوتا
تب! جب ایوان میں موجود ہر شخص اندھا ہوتا
ہم انسان ہوتے
ہمارے اندر انسانیت ہوتی
ہم دیش اور ملک کی سرحدوں سے نابینا ہوتے
ہمارے ہاتھوں میں بندوقوں کی جگہ
ایک پتلی سی چھڑی ہوتی
جو کسی کی زندگی لینے کے لئے نہیں
بلکہ خود کو راستہ دینے کے لئے ہوتی
لیکن تب! جب ہم اندھے ہوتے
بات بات پر شاعری ہوتی
چہروں پر خوشی ہوتی
دھیرے ہی سہی مگر ہونٹوں پر مسکان لئے
ہاتھوں میں ہاتھ دیے ہم ساتھ ساتھ چلتے
تب! ہم برے لوگ اندھے ہوتے۔

فاروق طاہر۔حیدرآباد،انڈیا

سیل فون وانٹرنیٹ!

ذہنی وجسمانی امراض اور فکری بے راہ روی کا طوفان

دیتے ہیں سراغ فصل گل کا، شاخوں پر جلے ہوئے بسیرے

اس مضمون میں موبائل فون کی تباہ کاریاں کا احاطہ کیا گیا جسے پڑھ کر آپ کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں گے۔ ہر صاحب اولاد اس تحریر کو ایک بار ضرور پڑھے۔ مجھے یہ ٹیکنالوجیکل پروگریس (ٹیکنالوجی کی ترقی) نہیں بلکہ انٹیلیکچول ڈیلکوئنسی (فکری بے راہ روی) معلوم ہوتی ہے۔رفتہ رفتہ سب ٹیکنالوجی کے غلام بنتے جارہے ہیں۔ پڑھا تھا کہ جمشید بادشاہ اپنے جام میں ساری دنیا کا نظارہ کرتا تھا۔ آج بچے بوڑھے سب اپنے موبائل اسکرینوں پر ہوش ربا نظاروں سے لطف اندوز ہورہے ہیں۔مفت موبائل ڈیٹا نہیں بلکہ ان کے ہاتھ کوئی کھلونا آگیا ہے۔بوریت دور کرنے کی چکر میں مخرب اخلاق ویب سائٹس پر حاضری لگانا اب بچے بوڑھے کسی کے لیے بھی باعث عار نہیں ہے۔افراد خاندان سے سیدھے منہ بات نہ کرنے والے فرضی (آن لائن) دوستیاں اور رشتہ داریاں نبھاتے نہیں تھکتے۔کسی بھی نامعلوم شخص سے اس کی حقیقت جانے بغیر رشتہ استوار کرلیتے ہیں نتیجتاً رسوائی، مایوسی، ذہنی وفکری الجھنوں اور پریشانیوں کے باندھ کھل جاتے ہیں۔فرضی رشتوں کے فریب پر، پھر ایک بار کھوکھلی آن لائن دنیا کے آگے آنسوے بہاکر ہمدردیاں بٹورنے کے جتن کرتے ہیں۔طلبہ کو پڑھائی، مارکس اور غیر صحت مند مسابقت نے ڈپریشن کا شکار کردیا ہے۔نوعمری میں دباؤ، اکیلے پن کے شکار بچے کسی دردمند کو نہ پاکر انٹرنیٹ وشوشل میڈیا کی خرابیوں سے لذت کام ودہن حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔جذباتی ہیجان وخلجان میں مبتلا بچے جھوٹی تسلیوں اور مکار رشتوں کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ریاونمود، اسٹیٹس، گلیمر وسنسنی خیزیوں کی چکر میں اپنا مستقبل داؤ پر لگا بیٹھتے ہیں۔انٹرنیٹ وآن لائن دنیا کے ہاتھوں بچوں میں فکری بے راہ روی خوب پروان چڑھ رہی ہے۔مشتہ نمونہ از خروارے، گزشتہ دو مہینوں کے دوران طلبہ کی جانب سے انجام دیئے گئے کئی ایک پرتشدد واقعات میں سے چند واقعات پیش کررہا ہوں۔

29 ستمبر 2022 کو دہلی کے ایک اسکول میں دسویں جماعت کے پانچ طلبہ نے منصوبہ بنایا اور آن لائن چاقو خرید کر اپنے ایک ساتھی کا قتل کردیا۔(ٹائمز آف انڈیا)

19 ستمبر 2022 کو دہلی کے سیلم پور علاقے میں پیش آئے ایک خوفناک واقع نے سب کے دل ودماغ کو ماؤف کردیا۔ایک دس سالہ لڑکے ساتھ دس سے بارہ سال کی عمر کے تین لڑکوں (جس میں مقتول کا رشتے کا بھائی بھی شامل تھا) نے جبراً بدفعلی کی۔ اس کے مقعد میں لوہے کی سلاخ گھسیڑدی اور اینٹوں سے مارمار کر شدید زخمی کردیا۔بعد ازاں یہ معصوم دوران علاج دواخانے میں

انتقال کر گیا (ہندوستان ٹائمز)۔

چند دنوں قبل الکٹرانک اور سوشل میڈیا پر ریاست جھارکھنڈ کے ڈمکا علاقے کے ایک رہائشی اسکول کی ویڈیو بہت تیزی سے وائرل ہوئی ہے۔ جس میں نویں (9) جماعت کے طلبہ نے اپنے ریاضی کے استاد اور کلرک کو مبینہ طور پر پراکٹیکل امتحان میں خراب نمبر دینے پر برہم ہوکر درخت سے باندھ کر پیٹا (انڈین ایکسپریس)۔

ہفتہ 24 ستمبر 2022 کے ایک اور واقع میں دسویں جماعت کے ایک طالب علم نے اپنے ساتھی طالب علم کے ساتھ جھگڑنے پر استاد کی ڈانٹ سے ناراض ہوکر استاد پر فائیر کر دیا۔ ملزم طالب علم استاد پر تین راؤنڈ فائر کرنے کے بعد بندوق لے کر فرار ہو گیا (این ڈی ٹی وی ڈاٹ کام)۔

طلبہ کے کمرۂ جماعت میں مہلک ہتھیار ساتھ لانے، اساتذہ کو جان سے مار دینے کی دھمکیوں کے واقعات میں آئے دن اضافے سے فکر مند ٹمل ناڈو ہائر سیکنڈری اسکول ہیڈ ماسٹرس اسوسی ایشن نے اساتذہ کے تحفظ کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لیے قانون سازی کا مطالبہ کرتے ہوئے دھرنا دیا (ٹائمز آف انڈیا)۔

یہ سب کیا ہو رہا ہے؟

حالیہ چند سالوں سے تعلیمی نظام غیر محسوس طریقے سے تاجرانہ آن لائن ایجوکیشنل کمپنیوں کے زیر تسلط ہوتا چلا جا رہا ہے۔ کرونا وبائی دور میں مدارس خوفناک زہریلے پروپیگنڈے کی وجہ سے تقریباً دو سال تک بند رہے۔ جس سے بچے اپنے گھروں میں محصور ہوکر سماجی زندگی سے دور ہو گئے۔ انسانی نفسیات میں یہ بات شامل ہے کہ کوئی شئے اگر مفت میں مل جائے تو پھر وہ اس کا غلط استعمال ضرور کرتا ہے۔ معاشرے کے کئی مسائل مفت خوری کی نفسیات سے معروضہ وجود میں آئے ہیں۔ مفت میں زہر بھی مل جائے تو ہم پینے سے دریغ نہیں کرتے۔ استحصالی تاجرانہ نظام (جس میں تعلیم بھی شامل ہے) مفت خوری کی نفسیات کو عیاری سے استعمال کرتے ہوئے دنیا کو اپنے شکنجے میں مسلسل کس رہا ہے۔ سال 2014 میں سستے موبائل ڈیٹا پلان کے آغاز کے بعد سیل فون ہر بچے کے ہاتھ میں آ گیا۔ تین سالہ بچے کو سیل فون چلاتا دیکھ کر معصوم والدین کی باچھیں کھل جاتی ہیں ''واہ! ہمارا بچہ کتنا ٹیک سیوی ہے''۔ کریلا، نیم چڑھا کے مصداق وبائی دور نے انٹرنیٹ، موبائل اور دیگر ذرائع ابلاغ تک رسائی میں جتنی بھی رکاوٹیں حائل تھی انھیں ایک جھٹکے میں دور کر دیا۔ ابتداً آن لائن تعلیم والدین اور دیگر افراد کو بہت دلکش اور ترقی یافتہ معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن لاک ڈاؤن کے بعد والدین کو آن لائن تعلیم کے نام پر بچوں کے ہاتھوں میں دیئے گئے سیل فونز کی خباثتوں کا حقیقی ادراک ہوا۔ حالیہ واقعات کی روشنی میں انٹرنیٹ ڈیٹا سے لیس موبائل فونز معاشرے کے لیے ایک بڑے خطرے کا پیش خیمہ ثابت ہو رہے ہیں۔ اللہ کرے یہ اندیشے، اندیشے رہیں لیکن حقیقت سے آنکھیں چرانا حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟

دماغ کا اگلا حصہ پری فرنٹل کورٹیکس (Pre Frontal Cortex) جذباتی کنٹرول اور خود پر قابو پانے میں مددگار ہوتا ہے۔ پچیس سال سے پہلے اس کی مکمل نشوونما نہیں ہوتی ہے۔ پچیس سال سے کم عمر کے افراد جذبات پر کنٹرول، خود پر ضبط، جذبہ احتساب، صواب دید، صلاح و مصلحت شناسی کے لیے جدوجہد کرتے نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شراب اور بالغ فلمیں وغیرہ بچوں کے لیے ممنوع ہیں۔ مسرت ولذت

کا لطیف فرق حصول لذت کو ایک نشہ قرار دیتا ہے۔ حصول لذت میں مگن نوخیز نسل موبائل فونز و انٹرنیٹ کے منفی استعمال سے معاشرے کے اخلاقی اقدار کے بخیے ادھیڑ رہی ہے۔ سل فون ملیریا، ڈینگی کے مچھر سے بھی زیادہ زہریلا ہے۔ اس کے زہریلے اثرات کے نفسیاتی، معاشرتی و جسمانی عوارض اور جرائم کی تباہ کن داستانیں اب منظر عام پر آنے لگی ہیں۔ سیل فون کی عادت نے بچوں کو احساس ذمہ داری سے محروم کر دیا ہے۔ عریاں مواد، فحش فلمیں (بلیو فلمس) پرتشدد ویڈیوز تضیع اوقات گیمز سے اخلاقی بحران پیدا ہو رہا ہے۔ واٹس ایپ، انسٹا گرام گروپس تشکیل دے کر بچے ایک دوسرے کی تضحیک و تذلیل اور بہتان طرازی جیسے بیرے کاموں میں وقت تباہ کر رہے ہیں۔ مار دھاڑ، قتل، خودکشی، عصمت دری، ہم جنس پرستی، خاندان کو فراموش کرنا، ماں بہن کے ساتھ جنسی تعلق، شراب نوشی، سگریٹ، حقہ، چرس و دیگر منشیات کا استعمال۔ نیٹ بچوں کو یہی تو سکھا رہا ہے۔ لاکھوں بچے پہلے ہی ان برائیوں میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ ماہرین نفسیات بھی ان کا علاج کرنے سے عاجز ہیں۔

والدین کو خوش فہمی ہے کہ ان کے بچے بہت معصوم ہیں۔ سیاسی جماعتوں کے پاس طلبہ کی فلاح و بہبود کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ان کی فلاح بہبود کے بعد کیا انہیں ووٹ مل سکتے ہیں؟ اسی فکر نے انھیں اس سے کوسوں دور رکھا ہے۔ بچوں کے موبائل فون استعمال کرنے سے سیل فون اور سافٹ ویئر کمپنیوں کی کروڑ ہا روپے کی تجارتیں چل رہی ہیں۔ سیل فونز، ہارڈ ویئر، ڈیٹا پلانز چھوڑ کر صرف آن لائن گیمنگ کا کاروبار ہی ایک ارب ڈالر سے زیادہ ہے۔ اگر بچے موبائل فونز استعمال کرنا چھوڑ دیں تو یہ تمام کاروبار چوپٹ ہو کر رہ جائے گا۔ ہمیں اپنی نوخیز نسل کو تباہی سے بچانے کے لیے ان امور پر سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا۔ عوامی تحریکات و مہمات چلانے ہوں گی۔ نوجوان ملک کا مستقبل ہوتے ہیں۔ اگر یہ محفوظ رہیں گے تو ملک محفوظ رہے گا۔

آپ کے ذہن میں ابھرنے والے سوال کا مجھے بخوبی احساس ہے۔ آپ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم بچوں کو سیل فون کیوں نہ دیں؟ کیا ہم بچوں کو ٹیکنالوجی سے دور کر دیں؟ بچوں کو سیل فون نہ دینے کی احمقانہ بات آپ بھلا کیسے کر سکتے ہیں؟ میرے عزیز بھائی میں نے بھلا کب کہا کہ آپ کے بچے ٹیکنالوجی سے دور ہو کر پتھر کے دور میں چلے جائیں۔ چھری سے پھل، سبزترکاری کاٹنے کے علاوہ کسی کا گلا بھی کاٹا جا سکتا ہے۔ اسی لیے کہتا ہوں کہ صرف معلومات نہیں بچوں کی تربیت پر بھی توجہ مرکوز کریں۔ علم و تربیت کے مجموعہ کا نام ہی تعلیم ہے۔ ٹیکنالوجی ہماری غلام ہے۔ ہم ٹیکنالوجی کے غلام کیسے بن سکتے ہیں؟ گھر اور اسکول میں ڈیسک ٹاپ پر چائلڈ سیفٹی لاک لگائیں۔ والدین اور اساتذہ اپنی نگرانی میں بچوں کو انٹرنیٹ سے مطلوبہ معلومات حاصل کرنے میں مدد کریں۔ ڈیسک ٹاپ کے بجائے اگر آپ انہیں سیل فون تھما دیں گے تو وہ اپنی بلانکٹ (کمبل) میں، حمام (باتھ روم) میں، کسی اور مقام پر دروازے بند کرتے ہوئے فحش مواد (بلیو پکچرس) دیکھیں گے۔ پرتشدد ویڈیوز دیکھنے کے عادی ہو جائیں گے۔ گیمز بھی بچوں کو تشدد پر ابھار رہے ہیں۔ لاکھوں بچے پہلے ہی اس دلدل میں دھنس چکے ہیں۔ اپنی اولاد کی حفاظت کیجیے۔ سیل فون کی لت لاکھوں بچوں کے دماغ کو نقصان سے دوچار کر رہی ہے۔ دماغ میں پائے جانے والے گرے مادے (Grey Matter) اور سفید مادے (White Matter) کے خراب ہونے کی وجہ سے بچے ADHD جیسے دماغی امراض کا شکار ہو رہے ہیں۔

لاکھوں بچے سیل فون کی نیلی روشنی (بلیو لائٹ) کی وجہ سے مکمل یا جزوی طور پر اپنی بینائی سے محروم ہو رہے

ہیں۔سیل فون پر ویڈیو گیمز کھیلنے سے گیمر کے انگوٹھے، ٹرگر انگلی، کارپل ٹنل سنڈروم (Carpal Tunnel Syndrome)، ٹینس ایلبو، کندھے گرنے اور سر گرنے (سنڈروم) جیسے امراض میں کا شکار ہوسکتے ہیں۔ایک یا دو نہیں پوری دنیا میں لاکھوں بچے اس تباہ کن راستے پر چل پڑے ہیں۔موبائل فون بچوں کے ہاتھوں میں ایک ٹائم بم سے کم نہیں ہے۔یہ آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں ایک دن ضرور پھٹے گا۔تب کیا ہوگا؟ یہ سوال مجھے اور ہر وہ شخص جو بچوں کے مستقبل کے لیے فکرمند آدمی ہے کو پریشان کررہا ہے؟

حیدرآباد کے چندانگر علاقے کی نویں جماعت میں زیر تعلیم لڑکی نے اپنے ماں سے پیٹ میں درد کی شکایت کی تو اسے دواخانے لے جایا گیا۔ڈاکٹر نے جب بتایا کہ لڑکی حمل سے ہے تو والدین کے اوسان خطا ہوگئے۔صدمے سے دوچار والدین کو آخر کار سمجھ میں آیا کہ ان کا بیٹا جو انٹر سال دوم (بارہویں) میں پڑھ رہا تھا، اپنی چھوٹی بہن (متاثرہ لڑکی) کے ساتھ ایک ہی کمرے میں سو رہا تھا۔بڑے بھائی اور چھوٹی بہن کے درمیان جنسی تعلق قائم ہوگیا۔کھوکھلی لذت کے حصول میں متعدد بے راہ رویوں کا شکار ہوکر بچے جنسی تعلقات قائم کرنے سے بھی اعراض نہیں کررہے ہیں۔انٹرنیٹ و شوشل میڈیا کی دنیا میں برائیوں کو فخریہ پیش کرنے کا رجحان بچوں میں کسی مہلک متعدی بیماری کی طرح تیزی سے پھیل رہا ہے۔موبائل فون کس قدر مفید اور کس درجہ خطرناک ہے یہ جانے بغیر ہم اسے بڑے چاؤ ویقین سے اپنے بچوں کے ہاتھ میں تھما رہے کہ یہ ان کے کام آئے گا۔ہم یہ کہتے نہیں تھکتے ہیں کہ ہمارے بچے بہت اچھے ہیں۔ہم ان کی بہتر پرورش کررہے ہیں۔کیا حقیقت میں ایسا ہورہا ہے؟۔کیا ہمارے بچوں میں اور ہمارے افراد خاندان میں اتنی مہارت اور خود ضبطیاپائی جاتی ہے کہ وہ آن لائن دنیا کی برائی اور فحاشی کی سونامی سے خود کو بچا سکیں۔نیکی و بدی کا فرق سمجھتے ہوئے خود کو بہتر بنانے والے نئے نظریات، مفید وتعمیری علوم سیکھ سکیں۔کیا آپ نے کبھی اس جانب توجہ دی کی اس وقت آپ کے بچوں کے موبائل میں کیا چل رہا ہے؟اگر آپ کو اپنے بچوں پر اتنا اعتماد ہے تو پھر ان کے موبائل فونز ان کے فیس بک اکاونٹ، واٹس ایپ، انسٹاگرام، اسکائیپ، اسناپ چاٹ، ای میل اکاونٹس وغیرہ کو ایکٹیویٹ کرتے ہوئے ایک ہفتے تک اپنے پاس رکھیں۔اللہ آپ کے یقین کو خراب نہ کرے۔آپ کو خیر وشر کا علم ہوجائے گا۔سروسے کے چونکا دینے والے اعداد وشمار کے ہر دن ملک میں مفت موبائل ڈیٹا پر فحش مواد جنسی ویڈیوز دیکھنے والوں کی اوسط تعداد 68% ہے۔جن میں 21 فیصد مرد جب کہ 47% خواتین اور بچے بھی شامل ہیں۔ہر 22 منٹ میں ایک عورت کی عصمت لوٹی جاتی ہے۔99.1% عصمت دری کے واقعات پردۂ اخفاء ہی میں رہتے ہیں (ون انڈیا ڈاٹ کام)۔نیشنل کرائم ریکارڈ بیورو کے مطابق 2021 میں بھارت میں ریپ کے 31677 واقعات رپورٹ ہوئے ہیں (دی ہندو 31 اگست 2022)۔والدین کو ان حالات میں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ماں باپ اپنے بچوں کے سامنے محبت کے اظہار، اشارات، ذومعنیٰ الفاظ کے استعمال، کسی جنسی حرکت و فعل سے باز رہیں تاکہ اخلاقی ومعاشرتی اقدار برقرار رہیں۔

بچے بڑے معصوم، بے ضرر اور نرم خو ہوتے ہیں لیکن سیل فونس بچوں کو چائلڈ مونسٹر بنا رہے ہیں۔اپنے بچوں کو موبائل فون کی لت سے بچایئے۔والدین، اساتذہ، اسکول انتظامیہ اور بچوں کی فلاح و بہبود اور تعلیمی کاز سے وابستہ افراد کی یہ اجتماعی ذمہ داری ہے۔اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو پھر بچے جرائم کا ارتکاب کریں گے۔پھر کوئی ماں، باپ، استاد اور کوئی بچہ محفوظ نہیں رہے گا۔پھر تو تباہی یقینی ہے۔

نفیسہ فاطمہ بنت مولانا منصور احمد قاسمی۔ پی ایچ ڈی اسکالر: جامعہ عثمانیہ حیدرآباد

مرد سپاہی تھا وہ اس کی زرہ 'لا الہ'

موت اس کائنات کی ناقابل انکار حقیقت ہے، خدا کے سوا ہر کسی کو موت آنی ہے "کل شیء ھالک إلا وجھه" (القصص:88)، اللہ کے سوا یہاں ہر کمال کو زوال، ہر عروج کو سقوط اور ہر بقا کو فنا ہے، ہر جاندار کو بے جان لاش میں تبدیل ہونا ہے اور ہر کسی کو موت سے دوچار ہونا ہے:

رعب فغفوری ہو دنیا میں کہ شان قیصری
ٹل نہیں سکتی غنیم موت کی یورش کبھی
بادشاہوں کی بھی کشت عمر کا حاصل ہے گور
جادۂ عظمت کی گویا آخری منزل ہے گور

یوں تو کسی بھی شخص کا دنیا سے چلا جانا موجب غم اور باعث الم ہے، لیکن جانے والا اگر ملت کا محسن وکرم فرما اور قوم کا مخلص ورہنما ہو تو رنج وغم کا بادل دور تک چھا جاتا ہے اور دیر تک چھایا رہتا ہے، اور پھر ملت کا کوئی محسن اور قوم کا کوئی مخلص ایسے وقت میں جائے جبکہ ملت وقوم کو مخلصین ومحسنین کی سخت ضرورت ہو تو دل پر حزن وغم کا ایک پہاڑ ٹوٹ جاتا ہے اور خرمن قلب پر رنج والم کی بجلیاں برستی ہیں، مزید برآں اگر اس محسن قوم وخادم دین وقوم ملت سے شاگردی کا رشتہ ہو تو پھر ایک عرصے تک یہ کیفیت رہتی ہے کہ

اک درد ہے جو شام سے اٹھے ہے سحر تک
اک سوز ہے جو صبح سے تا شام رہے ہے

آج جب کہ مسلمان ہر طرف مصائب وآلام، حوادث وفتن کا شکار ہیں، ایسے حالات میں اسے ایسے علماء کی سخت ضرورت ہے جو ان مشکل حالات کا مقابلہ اور اسلام کا دفاع کر سکیں، اور ملت اسلامیہ کی ڈوبتی کشتی کو سہارا دے سکیں؛ مگر انتہائی افسوس، نہایت قلق وحسرت اور نہایت اضطراب وپریشانی کی بات ہے کہ ان نمونہ اسلاف بزرگان دین سے دنیا خالی ہوتی جارہی ہے، انہی بزرگوں میں سے ایک جلیل القدر ومایہ ناز عالم دین، ولی کامل، پیکر عزیمت، قوم وملت کا درد رکھنے والے ہمارے محسن ومربی واستادی مولانا عبدالعلیم اصلاحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ونور اللہ مرقدہ ہیں، جو اب ہمارے درمیان نہیں رہے، افسوس کہ یہ روشن آفتاب بھی پردۂ شب میں روپوش ہوگیا:

چل بسا ہے کون جان جہاں
کس کے غم میں زمانہ ہے غمگین

ہمارے مولانا کا انتقال پر ملال ملت اسلامیہ کے لیے عظیم خسارہ اور سفینۂ اسلام کے لیے بڑا حادثہ ہے۔

مولانا اسلام کے سپاہی تھے، آپ صحابہ کرام کے سچے جانشین اور انبیاء کرام کے حقیقی وارث تھے، مولانا علوم ومعارف کا بحر ذخار تھے، جامعہ کے لیے ابر نیساں، معرکۂ حق وباطل کے مجاہد شمشیر وسناں، اسلامی افق کے نیر درخشاں اور بزم علم کے چراغ ضوفشاں تھے، حق کے طرفدار وعلمبراد، اور ظلم وظالم کے خلاف آواز بلند کرنیوالے مجاہد کارزار تھے، باطل اور طاغوتی نظام کے خلاف زندگی بھر جہد مسلسل کرتے رہے، اپنی تقریر وتحریر اور زبان وبیان کے ذریعہ طاغوتی نظام

کے سقوط اور اسلامی نظام کے استحکام کی کوشش کرتے رہے، اس کے لیے انھوں نے بڑی بڑی قربانیاں دیں اور مستقل آگے بڑھتے گئے، باطل کی دھمک اور تہذیب حاضر کی چمک سے مرعوبیت جیسے الفاظ سے ان کا قاموس حیات نا آشنا تھا:

وہی مومن ہے جس کو دیکھ کر باطل پکار اٹھے
کہ اس مردخدا پر چل نہیں سکتا فسوں میرا

مولانا ہمیشہ ہم طالبات کو مخاطب کرکے اپنے بیانات میں کہا کرتے تھے کہ بچیو! ہمیں دنیا میں امن قائم کرنا ہے، ہمیں طاغوتی نظام کے خاتمہ کے لیے جد وجہد کرنا ہے اور خلافت اسلامیہ کا قیام عمل میں لانا ہے:

جب نہ لے کوئی خبر اسلام کی
جب نہ ہو کوئی حمایت کو کھڑا
ایسے وقتوں میں تھا وہ اے دوستو!
حامی دین محمد مصطفیٰ ﷺ

مولانا ناظم جامعہ تھے؛ لیکن مولانا نے کبھی بھی اپنے رویہ میں تکبر وسختی نہ رکھی، مولانا بے انتہا اعلی صلاحیتوں کے مالک، عمدہ اخلاق کے حامل، خوش مزاج، نرم خو، نرم گفتار وبلند کردار تھے:

خاکی ونوری نہاد، بندۂ مولا صفات
ہردو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب، اس کی نگہ دل نواز
نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو
رزم ہو بزم ہو پاک دل پاک باز

مولانا کا اندازِ معاشرت اتنا سادہ اور خلق خدا سے تعلق اتنا بے لوث تھا کہ انسان ان کی شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، اور ملاقات کرنے والا بے ساختہ کہہ اٹھے کہ

بہت دل خوش ہوا حالی سے مل کر
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

مولانا کی زندگی زاہدانہ تھی، آپ حق گو اور حق پسند تھے، آپ اکثر خاموش رہتے، مگر جب اسلام یا نظام اسلام پر کوئی بات آتی تو خاموشی کو جرم سمجھتے، مولانا کا مزاج نرمی اور نرم خوئی سے عبارت تھا؛ مگر جب بات اسلامی نظام کے استحکام اور طاغوتی نظام کے انہدام کی آتی تو مولانا کی یہ نرمی سختی سے بدل جاتی، یعنی مولانا اپنی ذات کے لیے نرم اور اسلامی نظام حیات کے لیے سخت تھے:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

مولانا کی زندگی اقبال کی اس نصیحت پر پوری اترتی تھی:

گذر جا بن کے سیل تندرو کوہ وبیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہوجا

وہ پوری زندگی ملت اسلامیہ سے یہ کہتے رہے:

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاک غیر اللہ کو
خوف باطل کیا کہ ہے غارت گر باطل بھی تو

مولانا کے مزاج میں نفاست ونظافت اعلی درجہ کی تھی، یہ نفاست ونظافت فطری تھی، تصنع اور بناوٹ سے پاک تھی، ان کا رہن سہن، رکھ رکھاؤ، لباس وپوشاک، آرام گاہ وربائش گاہ ہر ایک چیز اور ہر ادا ان کی طبع نفیس کی آئینہ دار تھی۔

اللہ نے آپ کو جن خوبیوں اور کمالات سے نوازا تھا ان میں ایک اہم خوبی قرآن مجید سے عقیدت ومحبت اور والہانہ تعلق تھا، ان کی زندگی پر بس قرآن مجید ہی کا رنگ چھایا ہوا تھا، کیوں نہ ہو کہ ایک مومن کی یہی شان ہونی چاہیے:

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآں

مولانا سے ہم نے تفسیر بیضاوی پڑھی ہے، درس تفسیر میں دریا کی پرسکون روانی ہوتی، مگر یہ پرسکون روانی بھی اپنے اندر جذبات کی طغیانی اور عزائم کی جولانی لیے ہوتی، لہجہ کی شائستگی وروانی، فکر کی گہرائی وتابانی سے درس کی اہمیت دوچند ہوتی، اور گہرہائے معانی کی فراوانی اس کے سوا ہوتی:

مثل خورشید سحر فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ وآزاد، معانی میں دقیق
اس کا اندازِ نظر اپنے زمانے سے جدا
اس کے احوال سے محرم نہیں پیران طریق

مولانا کے درس کی خاص بات یہ تھی کہ آپ علمی وفکری مضامین کو بھی آسان پیرائے میں بیان کرتے جس سے معمولی استعداد والی طالبات کو بھی بات سمجھ میں آجاتی، آپ کے اسباق وبیانات ہم طالبات کے لیے باران رحمت ہوتے جس سے ہمارے مردہ دلوں کو زندگی اور خشک دماغوں کو تازگی ملتی، اور دلوں کو توکل علی اللہ کی خوئے نبوی نصیب ہوتی۔ مولانا اپنے بیانات کے ذریعہ ہمارے اندر ایمانی جذبہ کو ابھارتے، اور اکثر ہمیں اپنی عملی زندگی سنوارنے اور مستقبل میں اس تعلیم کو عملی جامہ پہنانے کی ترغیب دیتے۔

مولانا سراپا پیکر اخلاص وللّٰہیت تھے، اللہ کا بڑا کرم رہا کہ ہمیں ایسے استاذ سے شرف شاگردی حاصل ہوا جو خلوص وبے لوثی کا مجموعہ اور کمال ادب وکمال شفقت میں یکتا تھے، مولانا کی علمی وفکری میراث ایک تو طالبات کی شکل میں ملک وبیرون ملک موجود ہے، دوسرے تصنیفات کی شکل میں دستیاب ہے، مولانا کی تصنیفات میں چند اہم کے نام یہ ہیں:

- طاقت کا استعمال قرآن وحدیث کی روشنی میں
- دارالاسلام دارالحرب
- ملت کے دفاع کا مسئلہ
- بابری مسجد سے دستبرداری شرعاً جائز نہیں
- اسلام اور جمہوریت
- مجسموں کا مسئلہ
- اسلامی فکر کیا ہے؟

اسلامی نظام حیات کے نفاذ کی راہ آسان نہیں ہے، اس کے لیے جوش جنوں اور جذب دروں کی فراوانی درکار ہے؛ یہ وہ کوچۂ چاک گریباں ہے جہاں تن آسانوں کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ

یہ سمندر ہے کنارے کنارے جاؤ
عشق ہر شخص کے بس کا نہیں پیارے جاؤ

مولانا جس قافلۂ سخت جاں کے رہرو بلکہ رہبر تھے اسے آبلہ پائی سے پیار ہے، اور اس کا ہر فرد زبان حال سے کہتا ہے:

مرے ساتھ ساتھ چلے وہی جو کہ خار راہ کو چوم لے
جسے کلفتوں سے گریز ہو وہ مرا شریک سفر نہ ہو

کیوں کہ

علاج درد میں بھی درد کی لذت پہ مرتا ہوں
جو تھے چھالوں میں کانٹے، نوک سوزن سے نکالے ہیں

اور یہ قافلہ جس راہ پر گامزن ہے وہ راہ رخصت کی نہیں عزیمت کی اور سہولت کی نہیں اذیت کی ہے، مولانا کی ایمانی حمیت سے لبریز خطر پسند طبیعت کو سہولت ورخصت کی راہ سازگار نہ تھی، اسی لیے مولانا نے اقامت دین کے بلند

وپاکیزہ مقصد کی خاطر عزیمت واذیت کی راہ کو ترجیح دی:

خطر پسند طبیعت کو سازگار نہیں
وہ گلستاں کہ جہاں گھات میں نہ ہو صیاد

اقامت دین اور نفاذِ نظام حیات کی راہ پر چلنے کی وجہ سے مولانا اور مولانا کے ارکان خاندان کو بہت ساری اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، حتی کہ آپ نے اپنے بیٹے کی شہادت کا سعادت مندانہ غم صبر وتحمل سے قبول کیا، جوان بیٹے کی جدائی سے بوڑھے باپ کی بے کلی وبے چینی کی کیا کیفیت ہوتی ہے ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے جس کے سینے میں دل ہے۔ اذیتوں، آزمائشوں اور خلاف مزاج حالات وحادثات کے باوجود مولانا کبھی ٹوٹے نہیں، اور نہ ہی اپنے مشن کو چھوڑا؛ بلکہ اخیر وقت تک حق پر قائم رہے، اور تادم واپسیں نہ صرف دماغی طور پر صحت مند رہے؛ بلکہ پرعزم وبلند حوصلہ رہے۔ ایسے سنگین حالات اور دل شکن حادثات سے گذرنے کے باوجود مولانا کا استقامت کے ساتھ ڈٹے رہنا اور کسی طرح کی نفسیاتی بیماری یا ڈپریشن کا شکار نہ ہونا مولانا کے ارادے کی بلندی، فکر کی پختگی اور عمل کی صالحیت کی دلیل ہے۔

آج مولانا ہمارے درمیان نہیں ہیں؛ مگر مولانا کی یادوں کی شمع ہمارے طاقچۂ دل میں ضوفشاں ہے، خدا اس شمع کی لو اور ضو کو نا آشنائے عدم بنائے:

علم عمل کا مہر درخشاں نہیں رہا
اب مومنوں کے کیف کا ساماں نہیں رہا
عالم کی موت اصل میں عالم کی موت ہے
ہم میں وہ اک مفسر قرآں نہیں رہا
حق گو تھا، حق نگار تھا، حق جو تھا، حق بیاں
ارباب حق کے درد کا درماں نہیں رہا
سب تھے رفیق جس کے، خدا جس کا تھا رفیق
اک مخلص اور صاحب احساں نہیں رہا

مولانا کے ادارے میں گذرا میرا آٹھ سالہ تعلیمی سفر اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ مولانا کی زندگی اس شعر کا مصداق تھی:

سارا جہاں خلاف ہو پروا نہ چاہیے
مد نظر تو مرضی جاناناں چاہیے

نیز:

تو اکیلا تیرے دشمن سینکڑوں یہ بھی نہ دیکھ
قدرت حق پر نظر رکھ اپنی کمزوری نہ دیکھ

اقبال کا یہ شعر بھی مولانا کی زندگی اور مولانا کے مشن پر حرف بحرف صادق آتا ہے کہ

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

اللہ رب العزت سے میں دعا گو ہوں کہ مولانا کے ناصحانہ کلمات پر عمل کرنے اور مولانا کی طرح خدا پر توکل اور مصیبت پر صبر کرنے والا بنائے، اور مولانا کے درجات بلند فرمائے، انھیں جنت الفردوس میں اعلی سے اعلی مقام نصیب فرمائے۔

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

☆☆☆☆

شاؤین ضیاء بیگم۔ B.com IIyer گورنمنٹ ڈگری کالج ٹانڈور

اقبال: مفکر اور شاعر-ایک جائزہ

اقبال ایک بین الاقوامی شہرت کے مالک، مفکر، فلسفی اور شاعر تھے۔ان کی فکر عظمت کی طرح ان کی شاعرانہ عظمت بھی مسلم ہے۔اقبال کی شاعری وقت گزاری کا مشغلہ نہ تھی اور نہ ہی اقبال روایتی مشاعرہ پڑھنے والے شاعر تھے، انھوں نے اپنی شاعری کو اپنے پیغام، اپنے فلسفہ اور اپنے جذبات وتجربات کو دوسروں تک پہنچانے کا ذریعہ بنایا۔ اقبال کی عظمت یہ ہے کہ ''انھوں نے ایک بڑا شاعر ہوتے ہوئے بھی خود کو شاعر نہیں سمجھا اور نہ ہی شاعری کی شہرت کی وجہ سے کسی کو اپنے سے کمتر سمجھا۔اس سلسلے میں وہ سید سلیمان ندوی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں ''میں نے نہ کبھی اپنے آپ کو شاعر سمجھا اور نہ میں کسی کو اپنا رقیب تصور کرتا ہوں۔فن شاعری سے کبھی مجھے دل چسپی نہیں رہی۔ہاں بعض مقاصد رکھتا ہوں جن کے بیان کے پہلے اس ملک کے حالات وواقعات کی رو سے میں نے نظم کا طریقہ اختیار کیا''۔

اقبال نے فکر کے سہارے شاعری کی روایات کے غیر فکری بندھن کو توڑ کر ایک نئے لب ولہجہ اور ایک نئے آہنگ سے آشنائی حاصل کی۔ مولانا عبد الماجد دریابادی اقبال کے بارے میں رقم طراز ہیں ''مولانا روم کا اسم شاعری کے دیوان میں لکھ لیا گیا ہے، لیکن دنیا جانتی ہے کہ مثنوی کی معنویت کو مشاعروں والی شاعری سے بھلا کیا نسبت، بس یہی صورت اقبال کے پہلے ہے، وہ باوجود کہ بڑا اور مشہور شاعر ہونے کے شاعر نہیں ہیں۔ لیکن اپنے پیام سے نبوت کی جانشینی کا حق ادا کر رہا ہے۔مبارک ہیں۔وہ ہستیاں جو اقبال شناس ہو جائیں''علامہ اقبال کی شاعری کا سب سے بڑا کارنامہ واضح انقلابی طرز فکر کو مسلمانان عالم کی زندگی میں عروج کرنا ہے۔یہ انقلابی آفریں شاعری، یہ زور بیان اور یہ لب ولہجہ کارل مارکس کے اشتراکی انقلاب اور ہیگل یا واروں کے نظریات سے ماخوذ نہیں ہیں بلکہ اس شاعری کی بنیاد اسلام اور عشق رسول ہے۔اقبال کی نگاہ میں اسلام دنیا کا سب سے بڑا پیغام انقلاب ہے۔

رمز و ایما اس زمانے کے لئے موزوں نہیں
اور آتا بھی نہیں مجھ کو سخن سازی کا فن
قم باذن اللہ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گھر کن

اقبال کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ کسی ایک تحریک سے وابستہ نہ رہے بلکہ سچی بات یہ ہے کہ اقبال کی شخصیت ان نام نہاد تحریکوں سے بہت بلند تھی۔تمام تحریکوں سے وابستہ شعراء وادباء اقبال کی شخصیت کے سامنے بونے نظر آتے ہیں۔اگر ہم اقبال کی نظموں کو دیکھیں تو اس میں فطرت نگاری، ڈرامائیت، انقلاب آفریں جذبات واحساسات ، تصوف روحانیت، اشتراکیت، حیات وممات، بقاوفنا، توانگری اور بادشاہی، عشق اور رومانیت کے موضوعات ومضامین ملتے ہیں۔مگر ہم اقبال کی فطرت نگاری کو مرقد ڈزورتھ اور ہائرن کی رومانی شاعری کہہ کر اس کے حدود متعین نہیں کر سکتے ہیں، اقبال نے مزدور اور انسان کے مسکوں کو اٹھایا اور اپنی شاعری میں اس کے شاہ کار پیش کئے ہیں۔مگر ہم اسے ترقی ہندی نہیں کر سکتے ہیں۔اقبال کی شاعری میں ہر ادبی تحریک کی جھلک مل جائے گی، لیکن ان کو اس تحریک سے وابستہ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا ہے۔اقبال نے قرآنیات اور احادیث، تلمیات قرآن، واقعات قرآن، تاریخ اسلام کے حوالے سے ایک نگراں قدر سرمایہ اپنی شاعری میں پیش کیا ہے۔مگر وہ اہل مغرب پر شدید تنقید بھی کرتے ہیں۔علامہ کی شاعری قرآن کا منبع ومرجع تو ہے مگر اس میں مغرب اسلام یا دیگر مغریب سے توازن وتقابل کے مرحلے کو بڑی آسانی

سے بیان کیا ہے جو ایک بڑے شاعر کی پہچان ہوتی ہے، وہاں بھی اقبال کے پائے استقلال میں تزلزل نہیں آتا ہے۔

دراصل اقبالؔ اپنے حاضر و موجود سے اپنے عصر سے اسی غلط فکری رویے اور باطل تصورات کے باعث ہی بے زار ہیں۔

جو د و اقبالؔ میں بھی آدمیت میں شاد کے باعث تھے اور اب ہمارے عہد کو بھی جہنم کوہ بنائے ہوئے ہیں۔ اقبالؔ کے پیغام میں ان کی روح کی گرمی اور ایمان وایقان کی روشنی شامل تھی۔ اقبال کی ادبی وشعری اور عملی کاوشوں کا مقصد ومنتہا ایک ایسے معاشرے کا قیام تھا جو روحانیت سے فیض یاب ہو، اسلام کے آفاقی تصور میں استوار ہو، جس میں ایثار، بے غرضی، خدمت اور محبت کے ساتھ باہمی انسانی احترام کارفرما ہو۔

اقبالؔ کو اس کا شدید احساس ہے کہ آج کے تمام درد کا درماں عرف اور عرف ''اسلامؔ'' ہے اور یہ دور امن وسکون ان شاء اللہ آ کر رہے گا۔ اسی لیے اقبالؔ نہ صرف آب رواں کبیر کسی در زمانے کا خواب دیکھتا ہے بلکہ اس حقیقت کا برملا اظہار کرتا ہے کہ ؎

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ فنا معمور ہوگی نغمۂ توحید سے

جہانگیر قیاسؔ۔ حیدرآباد

غزل

مسلک نہ پوچھو مجھ سے کہ کس سے جڑا ہوں میں
اُمّت میں شاہِ طیبہ کی پیدا ہوا ہوں میں

مشکل میں ملزمین کی کام آ گیا ہوں میں
مشقِ سخن کے ساتھ یہ کرتا رہا ہوں میں

میں نے نہ جانے کتنے مسائل کو حل کیا
پولس میں رہ کے کام یہ کرتا رہا ہوں میں

کچھ اتنی سخت کرتا رہا ہوں میں ملازمت
باہر خود اپنے گھر سے زیادہ رہا ہوں میں

چہروں کو پڑھنے کا جو ہُنر آگیا مجھے
ہے کون کیسا اچھی طرح جانتا ہوں میں

کرب والم میں گزری مری زندگی قیاسؔ
کہنے کو دل کی باتیں سخنور بنا ہوں میں

تصویر میں محمد سیف، حافظ و مولوی محمد وقار حسامی، حافظ محمد شاکری قاسمی، محمد مجاہد ہلال اعظمی، مولانا شریف اللہ خان قاسمی، حافظ زبیر احمد صدیقی، ایڈیٹر ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی، محمد یوسف خان قاسمی،، مولانا نور العین قاسمی، سید وحید احمد، ڈاکٹر عبدالقدوس، مولانا مساعد ہلال احیائی، مولانا محمد عاقل خان قاسمی، جناب عبدالواحد، مولانا محمد بُشر قاسمی، مولانا راشد فضل قاسمی ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد کے تازہ شمارہ کی مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم شاہین نگر حیدرآباد میں رونمائی کرتے ہوئے۔

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں علامہ شبلی کا حصہ باتیں عروج اور زوال کی	ماہنامہ صدائے شبلی میں ہر ماہ ادارے کی طرف سے کتاب پر تبصرہ کیا جائے گا، اس لئے مصنفین، مولفین اور مرتبین سے گزارش ہے کہ وہ تبصرے کے لئے دوعدد کتابیں ضرور ارسال کریں۔(ادارہ)

مبصر: شکیل رشید

ماہرِ شبلیات ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی نئی کتاب ''مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں علامہ شبلی کا حصہ'' پڑھ کر، خوب اندازہ ہوجاتا ہے کہ نہ 'قومی زوال کا رونا نیا ہے'، اور نہ ہی 'مسائل پر سینہ کوبی کرنا' نئی بات ہے۔ زوال کی باتیں گزرے ہوئے کل میں بھی ہوتی تھیں، اور آج ہی جیسے مسائل، گزرے ہوئے کل کو بھی چھڑتے تھے۔ ہاں 'کل' اور 'آج' میں ایک بڑا فرق ضرور ہے، 'خلوص' کا فرق۔ پہلے خلوص، آج کی طرح دکھاوے کا نہیں تھا۔ سماجی، معاشی اور تعلیمی میدان میں، آج مسلمانوں کی جو بھی شناخت ہے، وہ اسی 'خلوص' کا نتیجہ ہے۔ ورنہ آج مسلمان، شاید ہمیشہ کے لیے زوال کے ساتویں طبق میں پڑے ہوتے۔ ویسے تو یہ کتاب، ڈاکٹر الیاس الاعظمی کی، علامہ شبلی نعمانیؒ کے سلسلے کی کتابوں میں سے ہی ایک ہے، لیکن پہلے کی کتابوں سے بہت مختلف۔ اس کتاب میں، علامہ شبلیؒ کے حوالے سے ''مسلم ایجوکیشنل کانفرنس'' کی، اور کانفرنس کے حوالے سے مسلمانانِ ہند کے عروج اور زوال کی، اور مخلصین کی ناقدری کی 'تاریخ' بیان کی گئی ہے۔ میں نے لفظ 'تاریخ' کو دو این میں، اس بات پر زور دینے کے لیے لکھا ہے، کہ یہ 'تاریخ' کی کوئی ٹھس اکیڈمک کتاب نہیں ہے، یہ احساسات پر ضرب لگانے والی کتاب ہے، اسے دل کی زبان سے لکھا گیا ہے۔

کتاب پر بات کرنے سے پہلے، ڈپٹی ڈائریکٹر دارالمصنفین اعظم گڑھ، ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی کے تحریر کردہ 'پیش لفظ' پر ایک نظر ڈال لیتے ہیں۔ ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی نے اپنے 'پیش لفظ' میں ایک بہت ہی اہم اور قابلِ غور بات کی جانب اشارہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں ''یہ بڑی حیرت کا مقام ہے کہ جس ایجوکیشنل کانفرنس نے ہندوستانی باشندوں کو فکری غذا فراہم کرنے اور تعلیم کے تئیں عوام وخواص کو حساس اور فکر مند بنانے میں نمایاں کردار ادا کیا اس سے متعلق کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں اس تحریک کے عہد بہ عہد ارتقا اور اس کے ہمہ گیر اثرات کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہو۔ بعض کتابوں میں کانفرنس کے بعض پہلوؤں سے بحث ضرور کی گئی ہے لیکن اس کانفرنس کی تمام کاروائیوں اور کارگذاریوں کی مکمل معلومات کی خواہش رکھنے والوں کو یقیناً مایوسی ہوگی۔'' کیا ایک ایسے ادارے کی تاریخ سے، جس کا مسلمانوں کی تعلیمی تحریک میں اہم ترین کردار ہے، لوگوں کو نابلد رکھنا 'خیانت' نہیں ہے؟ یہ خیانت بھی ہے اور ناقدری بھی۔ افسوس تو یہ ہے کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی تک نے، کہ

کانفرنس کی بنیاد سرسید احمد خانؒ نے رکھی تھی، اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔ ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی نے، کتاب کے مصنف کے تئیں جو یہ لکھا ہے کہ ''ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے زیر نظر کتاب لکھ کر علمی دنیا کی اس جانب توجہ مبذول کرائی ہے،'' وہ بالکل بجا ہے۔ کتاب کے 'دیباچہ' میں، مصنف نے بھی اس افسوس ناک حقیقت کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں، ''سچ تو یہ ہے کہ اب تک آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کی عظیم الشان تعلیمی خدمات اور اس کی طویل تاریخ کا مفصل مطالعہ و جائزہ پیش ہی نہیں کیا جا سکا ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کی تعلیمی زندگی پر کسی اور تحریک کے شاید ہی اتنے اثرات مرتب ہوئے ہوں جتنے ایجوکیشنل کانفرنس کے ہوئے ہیں۔'' کتاب لکھنے کی جو وجوہ بیان کی ہیں، ان میں سے ایک وجہ یہ ہے، ''اس تصنیف کا بنیادی مقصد علامہ شبلی نعمانیؒ نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے قیام و استحکام اور مسلمانوں کی تعلیمی ترقی میں جو کردار ادا کیا یا جو ان کا بنیادی حصہ ہے، اس کی وضاحت و تفصیل قلم بند کرنی ہے۔ نیز کانفرنس کے حوالہ سے علامہ شبلیؒ نے جو علمی، تعلیمی، قومی، ملّی اور تاریخی خدمات انجام دیں ان کے مطالعہ و تجزیہ کے ساتھ ان کی منظوم و منثور تحریروں کو یکجا کرنا ہے جو انہوں نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاسوں میں پیش کی تھیں اور جن سے ہمارے تعلیمی نظام اور تعلیمی نقطہ ؟ نظر کی اصلاح میں بہت کچھ مدد ملی۔'' گویا کہ اس کتاب کے لکھنے کا ایک مقصد، علامہ شبلیؒ کی منظوم اور نثری تحریروں کو جمع کرنا، اور دوسرا مقصد علامہ کے حوالے سے کانفرنس کی درست تصویر، آج کی نسل کے سامنے رکھنا ہے۔

کتاب کا آغاز مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے قیام کی مختصر تاریخ سے کیا گیا ہے۔ سرسید احمد خانؒ نے ۲۷/ دسمبر ۱۸۸۶ء کو کانفرنس کی داغ بیل ڈالی۔ بانیان میں مولوی سمیع اللہ خان، نواب محسن الملک، مولانا الطاف حسین حالی، نواب وقار الملک اور علامہ شبلیؒ وغیرہ بھی شامل تھے۔ سب جانتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کی ناکام جنگِ آزادی کے بعد مسلمان سیاسی زوال کے ساتھ تہذیبی و تمدنی زوال سے بھی دوچار ہوئے، جس کے نتائج انتہائی تکلیف دہ تھے۔ سرسید احمد خانؒ نیمضمرات کو محسوس کیا اور مسلمانوں کو قعر مذلت سے نکالنے کے لیے میدان میں اتر کر اور بہت کچھ قربان کر کے کام شروع کیا، ان کے رفقا ان کے ساتھ تھے۔ پہلے ایم اے او کالج علی گڑھ کی بنیاد ڈالی، جو آج مسلم یونیورسٹی ہے، اور پھر کانفرنس کا قیام کیا۔ قیام کے موقع کا خطبہ، بقول ڈاکٹر اعظمی، ''ان کے (سرسیدؒ کے) دل کی آواز بھی تھا اور ملت کے دل کی بھی۔'' سرسیدؒ نے اپنے خطبہ میں مسلمانوں کی حالت کے تنزل کا ذکر کیا، کہا کہ سیاسی امور پر بحث کرنے سے نہیں مسلمانوں کی قومی ترقی صرف تعلیم ہی کے ذریعے ہو گی، زور دیا کہ مسلمان آپس میں ملیں، قومی بھلائی، قومی تعلیم، قومی ترقی کے لیے جمع ہوں تا کہ قومی ہمدردی پیدا ہو یا جو کچھ وہ ہے اس میں اضافہ ہو۔ طئے کیا کہ سال میں ایک جلسہ ہوتا کہ تعلیم کی ترقی میں قومی اتفاق اور قومی امداد سے کوشش کی جا سکے۔ مقاصد میں اعلیٰ تعلیم کی فراہمی کے ساتھ تصنیف و تالیف کے کام بھی تھے، بعد میں جیسے جیسے اجلاس ہوتے گیے، قراردادیں پیش ہوتی رہیں، اور مقاصد کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ آگے کے صفحات میں، کہیں تفصیل کے ساتھ اور کہیں مختصراً، کانفرنس کے اجلاسوں کی روداد پیش کی گئی ہے، کُل ۲۶ روداد۔ یہ رودادیں اپنے اندر اُس 'کل' کو سموئے ہوئے ہیں جو مسلمانانِ ہند کی تعلیمی تنزلی کا بھی شاہد ہے اور

اس تنزلی سے قوم کو باہر نکالنے کے لیے کی جانے والی مخلصانہ کوششوں کا بھی۔ پہلا اجلاس ۲۷ تا ۲۹، ستمبر ۱۸۸۶ء کو علی گڑھ میں، مولوی سمیع اللہ کی صدارت میں منعقد ہوا، لیکن اس کے روحِ رواں سرسیدؒ تھے، انھی کو کانفرنس کی تاریخ کا پہلا رزولیشن پیش کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ دوسرا رزولیشن علامہ شبلیؒ نے پیش کیا تھا۔ انھوں نے اپنے خطبہ میں سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کے کم حصے کو اجاگر کیا، مسلمانوں کے اپنے قومی اخبار کے نہ ہونے پر افسوس جتایا، اپنے حقوق ظاہر کرنے کے لیے ذرائع کے نہ ہونے کی بات کی، اور کہا کہ ان سب کی وجہ، اعلیٰ تعلیم کا نہ ہونا ہے۔ انھوں نے انگریزی، سائنس اور لٹریچر کی تعلیم کو ضروری قرار دیا۔ اس اجلاس میں حکومت سے یہ درخواست کی گئی کہ وہ مغربی علوم کی تعلیم دے اور مشرقی علوم کو مسلمانوں کے لیے چھوڑ دے۔ ایک فیصلہ یہ کیا گیا کہ مکاتب کی توسیع کی جائے اور حفظِ قرآن کی طرف خصوصی توجہ دی جائے۔

کانفرنس کے بعد کے اجلاسوں میں بھی اہم فیصلے کیے گیے، مثلاً اعلیٰ تعلیم کے لیے مسلمان طلبہ کو وظائف دیے جانے کا انتظام کرنا، اوقاف کے روپیے کو انگریزی اور جدید تعلیم پر خرچ کرنا، یہ اپیل کہ زکوۃ کے پیسے کو مسلمان بچوں کی تعلیم پر خرچ کیا جائے، ٹیکنیکل تعلیم کے لیے علاحدہ ادارے کھولنے کا منصوبہ، کم عمر بچوں کے لیے نصابِ تعلیم کی تیاری پر توجہ مبذول کرانا، علمی اور ادبی منصوبوں کی تکمیل کے فیصلے، کانفرنس کی طرف سے اہم کتابوں کی اشاعت کا منصوبہ، تعلیمِ نسواں کو ترقی دینے کا فیصلہ، مسلم طلبہ کے لیے ملک کے مختلف حصوں میں ہوسٹلوں کے قیام کا فیصلہ، مسلم یونیورسٹی کے قیام کے لیے جدوجہد میں تیزی، تحریک ندوہ کی حمایت، انجمن ترقی اردو کا قیام وغیرہ وغیرہ۔ کانفرنس نے بہت کام کیے، بہت سے مسائل حل کیے، مسلمانوں کی تنزلی کے بہت سے اسباب کا سدِ باب کرنے کی مخلصانہ کوششیں کیں۔ مسائل آج بھی ہیں لیکن آج کوئی سرسیدؒ اور شبلیؒ نہیں ہے۔ خیر، جیسا کہ ہوتا آیا ہے کانفرنس کی کامیابی کے ساتھ کچھ مسائل بھی کھڑے ہوئے اور کچھ مخالفتیں بھی ہوئیں نتیجتاً سرسیدؒ کچھ ایسے پریشان ہوئے کہ انھوں نے کانفرنس کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا، لیکن علامہ شبلیؒ نے اس موقع پر زوردار خطاب کیا اور سرسیدؒ کو منا لیا۔ شبلیؒ کا کہنا تھا کہ، کانفرنس کے قیام کے اسباب و مقاصد درست ہیں اور اس کے مفید نتائج بھی برآمد ہونے لگے ہیں۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے بڑی محنت سے کانفرنس کی رودادوں کو جمع کیا ہے اور اُن میں جن امور پر بات کی گئی اور جن اشخاص کا تذکرہ ہے، ان کے بارے میں بھی تحقیق کر کے معلومات فراہم کی ہیں۔ سرسیدؒ کی موت کے بعد، علامہ شبلی نعمانیؒ کے ساتھ، کانفرنس کے ذمے داران کے افسوس ناک رویے کا ذکر بھی کتاب میں شامل ہے۔ ڈاکٹر اعظمی لکھتے ہیں، ''کانفرنس کے ابتدائی دور میں یعنی عہدِ سرسیدؒ میں جو لوگ کانفرنس سے وابستہ ہوئے، ان میں نواب محسن الملک اور مولانا حالی وغیرہ سب کو کانفرنس کی صدارت کی عزت بخشی گئی اور اگر یہ اعزاز نہیں دیا گیا تو علامہ شبلیؒ کو نہیں دیا گیا۔'' یہی نہیں انجمن ترقی اردو سے بھی شبلیؒ کو استعفیٰ دینے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔ کئی اجلاسوں میں اُن کے ساتھ بے اعتنائی برتی گئی تھی۔ اور ان کے اُن خطبات کے ساتھ، جو کانفرنس میں دیے گیے تھے، بقول ڈاکٹر اعظمی، ''ہمارا رویہ مثبت نہیں رہا، چنانچہ ان میں چند کیسوا خطبات شبلیؒ میں شامل نہیں

ہیں۔'' اس کتاب میں ''مسلمانوں کی گزشتہ تعلیم'' یہ خطبہ مکمل شامل ہے۔

ایک اہم سوال یہ ہے کہ آج مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کس حال میں ہے؟ کہا تو یہ جارہا ہے کہ کانفرنس ختم نہیں ہوئی ہے، لیکن سچ یہی ہے کہ اب اس کا وجود اور عدم وجود برابر ہے، نہ اس کے اجلاس ہوتے ہیں اور نہ اس کے منصوبوں پر عمل ہورہا ہے۔ علی گڑھ کے ایک سفر میں، کوئی ۲۵ برس قبل، کانفرنس کے دفتر جانا ہوا تھا، اجڑا ہوا دفتر، شاید اب وہ بھی نہ ہو۔ وہاں سے کئی کتابیں خریدی تھیں، 'حیاتِ محسن'، 'وقار حیات'، 'مالابار'، 'تاریخ صولت شاہی' کانفرنس کی سوسالہ روداد، اور نہ جانے کیا کیا، پتہ چلا کہ اب کتابیں نہ بچی ہیں نہ شائع ہورہی ہیں۔ خیر یہ تو ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ ڈاکٹر اعظمی نے بالکل درست لکھا ہے، ''میں اپنے عہد میں کسی کے ساتھ اس طرح کی زیادتیاں دیکھتا ہوں تو خیال ہوتا تھا کہ یہ زوال کی نشانیاں ہیں مگر مذکورہ واقعات کے علم میں آنے کے بعد معلوم ہوا کہ ہماری قوم میں اس کا سلسلہ بڑا پرانا ہے اور زوال وادبار کی جو گھٹا چھائی ہوئی ہے اور ہلاکت اپنا جو سماں دکھلا رہی ہے، اس کے اسباب ہم سے پہلے والوں کی سرشت میں بھی شامل ہوگیے تھے۔ گویا ہماری بربادی کے اسباب پہلے سے ہماری قوم میں موجود ہیں۔'' یہ کتاب ہم سب کی آنکھیں کھول سکتی ہے اس لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ کتاب میں حواشی بہت قیمتی ہیں۔ اس اہم کتاب کو 'دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ' نے اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔ صفحات ۳۰۳ ہیں اور قیمت ۳۵۰ روپیہ۔ کتاب حاصل کرنے کے لیے 'شبلی اکیڈمی' سے رابطہ کیا جاسکتا ہے۔

از: ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی، دہلی

اثرات شبلی

آج دو جلدیں مجھے ''اثرات شبلی'' کی ملیں
ہیں جو الیاس اعظمی کی ایک زریں یادگار

عہد حاضر میں ہیں جو سب سے بڑے شبلی شناس
اپنی جو خدمات سے ہیں آج فخر روزگار

پیش کرتا ہوں مبارک باد میں اس کی انہیں
دے جزائے خیر انہیں اس کے لئے پروردگار

شہر اعظم گڑھ کے ہیں جو بھی مشاہیر ادب
کارناموں کا ہے ان کے ذکر وجہ افتخار

آج الیاس اعظمی ہیں نازش بر صغیر
ان کے ہیں مداح اقصائے جہاں میں بے شمار

مٹ نہیں سکتے کبھی ان کے نقوش جاوداں
سب کریں گے ان کا ذکر خیر برقی بار بار

جامع مسجد عالیہ میں مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی کی تہنیتی تقریب

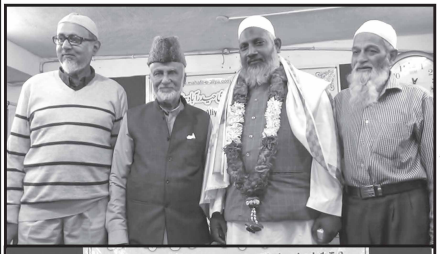

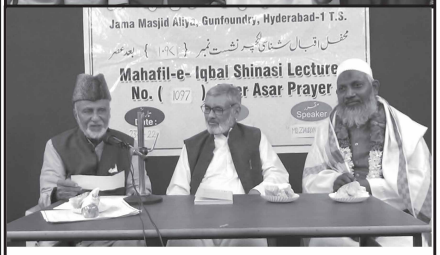

تصویر میں الحاج محمد انعام صاحب، ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی صاحب، الحاج غلام یزدانی سینئر ایڈوکیٹ، الحاج رئیس اقبال انجینئر صاحب، جناب ضیاءالدین نیر صاحب۔

جامع مسجد عالیہ گن فاؤنڈری حیدرآباد کے ادبی پروگرام محفل اقبال شناسی میں مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد ہذا ایڈیٹر ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ کی تہنیت کی گئی۔ ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی کو ان کی چھٹی اور ساتویں تصانیف پر (قوت تعلیم افکار ونظریات، گاندھی جی اردو ادباء وشعراء کی نظر میں) تلنگانہ اردو اکیڈمی کی طرف سے ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔ تہنیتی تقریب جامع مسجد عالیہ کے ذمہ داروں کی طرف سے تھی۔ عالی جناب الحاج محمد انعام صاحب خزانچی مسجد عالیہ نے مہمانوں کا استقبال کیا۔ محفل اقبال شناسی کی نشست سے جناب ضیاءالدین نیر نے اقبال اور ابوالکلام آزاد پر، پرمغز خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ حیدرآباد میں اقبال کا تعارف نواب بہادر یار جنگ، سید خلیل اللہ حسینی اور غلام یزدانی سینئر ایڈوکیٹ کی طرف سے ہوا، انہوں نے قرآن مجید کی تلاوت کے بعد کلام اقبال کے مطالعہ کی بھی تلقین کی۔ کنوینر محافل عالی جناب غلام یزدانی سینئر ایڈوکیٹ نے محترم جناب ضیاءالدین نیر صاحب کا شکریہ ادا کیا اور ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی کی تعریف وتوصیف کی دعا دیتے ہوئے شال پوشی اور گل پوشی کی۔ ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی نے جامع مسجد عالیہ گن فاؤنڈری حیدرآباد کے ذمہ داروں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ علامہ اقبال کے پیام کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم جہادِ زندگانی میں یہی مردوں کی شمشیریں

حاضرین محفل میں جامع مسجد عالیہ کے معتمد، خزانچی، رکن الحاج رئیس اقبال انجینئر اور دیگر موجود تھے۔

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's

یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر

UNANI CENTER FOR CARDIAC

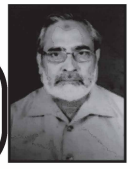

Consultation Time
Morning: 9:00 am to 2:00 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony
Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیرٹیبل ٹرسٹ، حیدرآباد
SHIBLI INTERNATIONAL
EDUCATIONAL & CHARITABLE TRUST
Regd. No. 180/2016

مسجدِ الٰہی کی تعمیر کے لئے تعاون کی اپیل

مسجدِ الٰہی زیرانتظام شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیرٹیبل ٹرسٹ حیدرآباد کا تعمیری کام شروع ہورہا ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ ایک مخیّرہ خاتون نے 126 گز اراضی ٹرسٹ ہذا کو مسجد کے لئے وقف کردی ہے، اللہ تعالیٰ مخیّرہ کو دونوں جہاں میں بہترین بدلہ دے، آمین۔ مسجدِ الٰہی کی زمین مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادیٔ عمر شاہین نگر حیدرآباد کا (اقامتی وغیر اقامتی) ادارہ ہے، جو شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیرانتظام 2017 سے خدمات انجام دے رہا ہے، بالکل اسی سے متصل ہے۔ مدرسہ ہذا اور بستی کے لئے مسجد ناگزیر ہے، اس وجہ سے آپ تمام حضرات سے گزارش کی جاتی ہے کہ مسجد ہذا کی تعمیری کام میں نقد یا اشیاء کے ذریعہ معائنہ کرکے حصہ لے کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔ جزاک اللہ أحسن الجزاء.

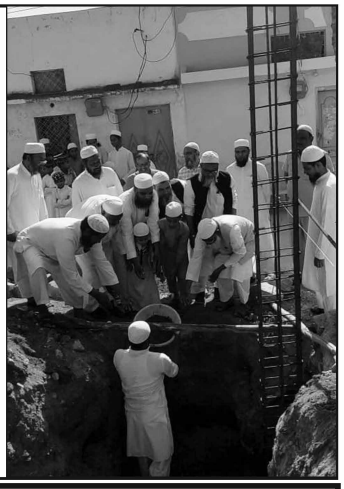

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم شاہین نگر حیدرآباد کے متعلمین محمد حذیفہ، عبدالرحمٰن۔ مولانا نورالعین قاسمی، مفتی یوسف خان قاسمی، مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی، مولانا شریف اللہ خان قاسمی، حافظ زبیر احمد صدیقی، حافظ وقاری محمد شاکر قاسمی، مولانا مساعد ہلال احیائی، مولانا محمد بُشَیر قاسمی، مولانا محمد عاقل خان قاسمی، ڈاکٹر عبدالقدوس صاحب، سید وحید صاحب، محمد مجاہد ہلال اعظمی، مولانا راشد فضل قاسمی اور دیگر حضرات ''مسجد الٰہی'' زیرانتظام: شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کی بنیاد رکھتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ آسانی فرمائے اور قبول فرمائے (آمین)

Bank Name : IDBI **A/c Number :** 1327104000065876
A/c Name : SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST
IFSC Code : IBKL0001327. Branch: Charminar
Google Pay: 8317692718, WhatsApp : 9392533661

العارض: حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہذا چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad

December 2022

RNI: TELURD/2018/77022
ISSN: 2581-9216

Rs. 20/-

مجتبیٰ ٹکسٹائلس

MUJTABA
TEXTILES FOR THE GENTLEMAN IN YOU

#20-4-20/6/1, 20-4-20/7/5 & 7/6, Punch Mohalla, New Laad Bazar,
Khilwath, Hyderabad. T.S. India
Ph: +91 6281040896 - Email: mujtabatextiles18@gmail.com - Web: www.mujtabatextiles.com
Follow us on facebook: https://www.facebook.com/mujtaba.textiles.1

Editor, Printer, Published & Owned by Mohd. Muhamid Hilal
Printed at Daira Electric Press, #22-8-143, Chatta Bazar, Hyderabad. 500 002.
Published at #17-3-352, B1, 2nd Floor, Bafana Complex, Dabeerpura, Hyderabad - 23, T.S
Cell: 9392533661, 8317692718, Email: muhamidhilal@gmail.com